سہ ماہی مجلّہ

# معارف اولیاء

خصوصی اشاعت

مرکز معارف اولیاء

AUQAF DEPARTMENT

دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، محکمہ اوقاف پنجاب

مجلّہ

# معارفِ اولیاء


جلد ۲ | دسمبر / شوال | شمارہ ۴

۲۰۰۴ء / ۱۴۲۵ھ


## اقبال نمبر



مرکز معارفِ اولیاء

دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

محکمہ اوقاف و مذہبی امور۔ حکومت پنجاب

تعداد : ۱۰۰۰

ایڈیشن : اوّل۔ جلد۲، شمارہ ۴

شوال ۱۴۲۵ھ بمطابق دسمبر ۲۰۰۴ء

پتہ : مرکز معارفِ اولیاء اوقاف پنجاب۔

دربار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور

فون : ۷۱۱۳۴۶۴

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

# فہرست


| | | | |
|---|---|---|---|
| ☆ | اداریہ | | ۱ |
| ۱۔ | شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبالؒ اور تصوف | غلام سرور رانا | ۷ |
| ۲۔ | اقبالؒ اور تصوف۔ایک ہمہ جہتی جائزہ | غلام حیدر چشتی | ۲۹ |
| ۳۔ | علامہ محمد اقبالؒ ایک کامل صوفی | سید محمد یوسف عرفان | ۴۷ |
| ۴۔ | فکرِ اقبال پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اثرات | ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس | ۶۹ |
| ۵۔ | بیدل دہلوی و علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا تقابلی جائزہ و خصوصیات | محمد شاہ ضعیف | ۷۹ |
| ۶۔ | میاں محمد بخشؒ تے علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ دے کلام وچ فکری سانجھ | سعادت علی ثاقب | ۹۳ |
| ۷۔ | مکتوباتِ امام ربانیؒ (دفتر اوّل) مکتوب نمبر ۴۔ ۶ | مترجم مولانا سید زوار حسین شاہ | ۱۰۹ |
| ۸۔ | العلامه محمد اقبال و نزعته الصوفية | دكتور ممتاز احمد السديدى | ۱۲۷ |
| ۹۔ | Message of Allama Dr.Muhammad Iqbal and his struggle against Destructive Emotions | حسن علی ٹیپو | ۱ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# اداریہ

تزکیۂ نفس اور صفائے قلب سے باطن کی وہ روشنی نصیب ہوتی ہے جو انسان کو اپنی پہچان عطا کرتی ہے۔ اپنے وجود کی حقیقت کا علم ہو جانے کے بعد اپنے گرد و نواح کی وسعت کا احساس ہونے لگتا ہے اور کائنات میں ساکن و متحرک قوتوں سے رشتہ قائم ہونے کے ساتھ ہی زندگی کے وسیع اور گہرے سمندروں میں سفر شروع ہوتا ہے۔ جو افراد اپنی خودی کے جوہر کو برقرار رکھتے ہوئے جہادِ زندگانی میں مصروف ہوتے ہیں ان کے لیے منزل محض دو قدم ہی رہ جاتی ہے اور جو قومیں اپنی خودی کی پاسبانی کرتی ہیں وہ بالآخر دائمی سیادت و امامتِ اقوام کی سعادت حاصل کرتی ہیں۔ اقوام عالم میں ہمیشہ ہی سے قیادتِ عالم کے لیے باہمی رسہ کشی رہی ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وہی قومیں غالب آیا کرتی ہیں جن کی انفرادی و اجتماعی اخلاقیات دوسری قوموں کے مقابلے میں بہتر اور بلند و برتر ہوا کرتی ہیں۔ اخلاقی خوبیوں کی مضبوطی کے لیے صفائے باطن اور ظاہری کردار کی خوبصورتی بہت ہی اہم شرط ہے اس سلسلے میں اقوام کے مصلحین کے افکار اور روشن و مرغوب کردار قوموں کی نئے سرے سے صف بندی کرتے ہیں اور نئی تشکیل و تعمیر میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اشاعتِ اسلام اور ترویجِ اخلاق کے سلسلے میں صوفیاء اسلام کی خدمات نہایت اہم اور قابل قدر رہی نہیں بلکہ مایوسی کے اندھیروں میں امتِ مسلمہ کے لیے ایک روشن نشانِ منزل ہیں۔ کسی بھی دور کا مفکر و مصلح ان صوفیاء و صالحین کی تعلیمات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کے افکار اور تعلیمات انسانیت پروری اور انسانیت سازی کے لیے ہوتی ہیں، جبکہ ان میں تعصب نہیں وسعت ہوتی ہے۔ ویسے تو پیغام اسلام کے روزِ اول ہی سے بالخصوص گزشتہ دو صدیوں سے ملتِ اسلامیہ یہود و ہنود کی جن خفیہ سازشوں کا شکار ہے وہ ہر

ذی شعور اور درد مند اہل ایمان پر واضح ہے۔

ابتری اور پریشانی کے اس ماحول میں بہت سے مصلحین نے اندھیروں میں چراغ روشن کیے ہیں لیکن جو توفیق ایزدی دانائے راز شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی وہ ملتِ اسلامیہ پر قدرت کا ایک بڑا احسان ہے۔

اقبالؒ کا دلِ دیوانہ، عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی سے معمور تھا۔ اس کی بصیرت، خاک مدینہ و نجف سے منور تھی۔ وہ محبتوں کے ان چشموں سے فیضیاب تھا جنہیں صوفیاء امت نے اپنے سوزِ قلبی اور حسنِ کردار کی بدولت کبھی بند نہ ہونے دیا۔ انسانی شعور بیدار ہوتا ہے تو شیطانی قوتیں انسانی روپ میں بیداری کی قوتوں کو غلط رخ دینے پر تُل جاتی ہیں اور نتیجے کے طور پر الحاد و گمراہی کے نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ گمراہی کے اس انداز کو کچھ ذہن کے لوگ عقلیت کا نام دیتے ہیں۔ رہنمایانِ قوم عقلیت کے اس منہ زور گھوڑے پر سوار ہو کر کاروانِ قوم کا راستہ بھی کھوٹا کر دیتے ہیں۔ ایسے میں قوتِ عشق ایسے حجابات اٹھا کر انسانیت کو سیدھے راستے پر ڈالتی ہے اور اس راستے پر وہی لوگ گامزن ہوتے ہیں جو خدائے قدوس کی بارگاہ سے انعام یافتہ ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ان کے نائبین ہدایت کے ان راستوں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں، وہ اپنے قلوب کو عشقِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے روشن رکھتے ہیں اور اپنے فکر و نظر کو آفاقِ کائنات سے وابستہ رکھتے ہیں۔ یوں یہ لوگ قیادتِ اقوام کی حقیقی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔

بقولِ اقبالؒ:۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است<br>
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است<br>
ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ اوست<br>
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست<br>
سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب<br>
ذرہ عشقِ نبیؐ از حق طلب<br>
زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست<br>
برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

عشق کی قوت کے امانت داروں کا یہ گروہ عشقِ الٰہی کے حوالے ہی سے مخلوق کو دیکھتا ہے اور ان کی بصیرت وبصارت آفاقی ہوتی ہے، نسلی یا جغرافیائی نہیں ہوتی۔ اقبالؒ ایک مفکر ہیں، مصلح ہیں، حیاتِ نو کے نقیب ہیں، زندگی کو زندہ ہی دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے ان کی بات میں وہ زندہ قوت موجود ہے جو انسانیت کو ہمیشہ ہی سربلند رکھتی ہے اور صاحبانِ عشق اس سربلندی کے امین ہیں۔ اس لیے اقبالؒ اپنے فکر وپیغام میں بار بار ان پاکانِ امت کا ذکر کرتے ہیں جن سے انہوں نے اپنے فکر کی درستی کے لیے کسب فیض کیا ہے، بلکہ اپنے دور کے صوفیاء سے بھی اصلاح احوال کے لیے مشورہ کرتے رہے ہیں۔

پیر رومیؒ کا یہ فیضان یافتہ اقبالؒ امام الاولیاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خراجِ عقیدت پیش کر کے اپنا کشکولِ فکر انعام یافتگانِ بارگاہِ صمدیت سے بھراتا ہوا نعمتِ فکر کے وہ موتی چنتا ہوا نظر آتا ہے جو آج ہمارے ملی فکری سرمایے کا اثاثہ ہیں:۔

مسلم اوّل شہ مردان علیؓ
عشق را سرمایہ ایمان علیؓ
از ولائے دود مانش زندہ ام
در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام
مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند در ام الکتاب

ترجمہ: سب سے پہلے ایمان قبول کرنے والے، بہادروں کے سردار سیدنا علی المرتضیٰؓ۔ آپؓ عشق کے لیے ایمان کا سرمایہ تھے۔ قرآن پاک کے مطابق ''وہ جو ایمان والے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت شدید ہے''۔ (سورہ البقرہ)۔ میں ان کے خاندان کی محبت سے زندہ ہوں اور دنیا میں موتی کی طرح چمک رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں ابوتراب کا لقب دیا، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انہیں یداللہ کہا ہے۔ (بیعتِ رضوان کے موقع پر صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے)۔

اور کبھی اس رنگ میں گویا ہیں:۔

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

اور کبھی فضیلؒ و بوسعیدؒ کو خراج محبت پیش کرتے ہیں:۔

پاک مرداں چوں فضیلؒ و بوسعیدؒ
عارفاں مثل جنیدؒ و بایزیدؒ

اور مولانا رومیؒ تو اقبالؒ کے فکری راہنما ہیں:۔

مرشد رومیؒ حکیم پاک زاد
سر مرگ و زندگی بر ما کشاد

غرض یہ ایک طویل کہانی ہے اس وابستگی قلب وفکر کی۔

ہر ہر مقام پر اقبالؒ اسی گروہ پاکاں میں مجلس نشین نظر آتا ہے۔ علم کے لیے سفر یورپ پر جانے سے پہلے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور ایک طویل عرضداشت بصورتِ اشعار پیش کی تھی۔ نعمتِ درد طلب کی اور دل کی آبادی کے لیے التجا پیش کی:۔

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغان مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

اقبالؒ کا صوفیاء سے کس درجے کا تعلق تھا، وہ کس طرح اپنی دنیائے فکر و حکمت کو ان کی محبت سے آباد رکھتے تھے، دعاؤں میں ان کے حوالے سے طلب کا انداز دیکھیے:

عطا کن شور رومی سوز خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی

حکیم سنائی کی قبر پر حاضر ہوئے تو حالت کیا تھی! سید سلیمان ندوی کی زبانی سنیے:

''حکیم سنائی کی جلالت شان سے کون واقف نہیں ہم سب اس منظر سے متاثر تھے۔ مگر ہم میں سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر اقبالؒ پر تھا۔ وہ حکیم ممدوح کے سرہانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے اور دیر تک زور زور سے روتے رہے''۔

علامہ محمد اقبالؒ کا کلام محض وقتی تفریح کا سامان نہیں ہے بلکہ دل کے اندر اتر جانے والے وہ حقائق ہیں جو ملت سازی کے لیے سوز اور پاکیزہ اخلاق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور یہ درد و سوز ایسے صاحب

کردار اور درست افکار انسان ہی کو نصیب ہوتا ہے جو خوش نیتی سے اپنی زندگی کو سچی بندگی میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ جب احساسِ بندگی بیدار ہو جاتا ہے تو خالق و مالک کی پہچان بھی آسان ہو جاتی ہے۔ ایسے انسان کے وجود پر خدائی انوار کا پہرہ ہوتا ہے اور وہ بقائے انسانیت کے آئین کا سب سے بڑا علمبردار ہوتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ایسے پاکیزہ نفس انسانوں کی قبر بھی فیض کا مرکز ہوتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے یہ اشعار اقبالؒ کی صوفیاء سے قلبی وابستگی کی بیّن شہادت ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے، وہ صاحبِ اسرار

ظاہر و باطن کے علوم کے حوالے سے ''انوارِ اقبالؒ ''(شاعرِ مشرق کی ایک تحریر) میں انہوں نے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی وسعتِ فکری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعارِ حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائرِ اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو، عین اسلام جانتا ہے۔''

اخلاص کی قوت انسان اور انسانی معاشرے کو رشکِ ملائکہ بنا دیتی ہے۔ تصوف ایک مومن کو مومنِ کامل بنانا چاہتا ہے اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جس میں انسان حقیقی طور پر ''اشرف المخلوقات'' نظر آئے۔ اقبالؒ صوفیاءِ اسلام کے اسی پیغام کو ملتِ اسلامیہ اور پھر عالمِ انسانیت تک پہنچانے کی عمر بھر کوشش کرتے رہے ہیں۔

ان کے نزدیک اقوام کی امامت کی اہلیت روشن باطن صالحین کی تعلیمات ہی سے میسر آ سکتی ہے، اسی لئے وہ علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ کو اس انداز سے خراجِ محبت پیش کرتے ہیں:

سیدِ ہجویر مخدومِ امم
مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم

خاکِ پنجاب از دمِ او زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

ترجمہ: سید علی ہجویریؒ جو قوموں کے مخدوم ہیں۔ جن کی مرقد مبارک خواجہ معین الدین چشتیؒ کے لیے حرم کی مانند ہے۔ (انہوں نے یہاں چلہ کشی کی تھی)

پنجاب کی سرزمین ان کے دم قدم سے زندہ ہوگئی۔ ان کے آفتاب نے ہماری صبح روشن کر دی۔

مجلہ معارف اولیاء کا اعلیٰ تحقیقی و تخلیقی مضامین سے مزین ''اقبال نمبر'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ شمارہ قدرے تاخیر سے شائع ہوا۔ بعض فنی وجوہات کی بناء پر ہونے والی اس تاخیر کے حوالے سے ادارہ ''اعتذار'' پیش کرتا ہے۔

شوال المکرم ۱۴۲۵ھ / دسمبر ۲۰۰۴ء

مدیر

# شاعرِ مشرق حضرت علاّمہ محمد اقبالؒ اور تصوّف

☆غلام سرور رانا

فقرِ ذوق وشوق تسلیم رضا است　　ما امینم ایں متاعِ مصطفٰےﷺ است

بقول حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ''اقبال مرحوم دورِ حاضرہ میں اسلام کے بہترین شارح تھے، ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا، کیونکہ اسلام کے سچے شیدائیوں اور عاشقوں کا نام ابدالاباد تک قائم رہتا ہے، میرے پاس کوئی سلطنت ہوتی اور مجھ سے کہا جاتا کہ اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو چن لو تو میں اقبال کو چن لیتا''۔ اس سے حضرت قائداعظم رحمہ اللہ کی شاعرِ مشرق حضرت علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ سے عقیدت واحترام، محبت اور عظمت ورفعت کا پتہ چلتا ہے۔(۱)

دراصل اخوت، مساوات، عزتِ نفس، خداترسی، امن وعافیت، فلاح ونجات، انسانیت کی بلندی اور اقدارِ انسانی کی معراج ورفعت حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی امتیازی خصوصیات ہیں اور ان سب کا سرچشمہ اور منبع شریع حضور پُرنور، رحمتِ عالم، نورِ مجسم، شفیع معظم، رسالت مآب ﷺ اور آئین حضرت محمد عربی ﷺ، دینِ اسلام ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زندہ وجاوید کتب میں سے ایک نظریہ ''تصوف'' ہے، جسے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلہ قادریہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔ جس کا اظہار کئی مرتبہ فرمایا۔

''اقبال نامہ'' حصہ اول میں سید سلیمان ندوی سے یوں رطب اللسان ہیں:

''خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ کی میرے دل میں بہت عزت ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا

---

☆ریٹائرڈ پروفیسر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، وزٹنگ پروفیسر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔

ہے۔یہی حال سلسلہ عالیہ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں ۔
حالانکہ حضرت شیخ سید عبدالقادر محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت
سے پاک کرنا تھا"۔

یہ خط عروس البلاد لاہور، داتا کی نگری سے ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء کو تحریر کیا تھا"۔(۲)

اسلامی تصوف کے دو پہلو ہیں، ایک نظری اور ایک عملی۔تصوفِ عملی درحقیقت سنتِ رسولِ مقبول ﷺ کی انتہائی خلوص کے ساتھ پیروی کا نام ہے اور تصوف نظری دراصل نہ صرف توحید پر صدقِ دل سے ایمان لانے، بلکہ علم الیقین کے ساتھ ساتھ عین الیقین اور حق الیقین بھی حاصل کرنے کی صورت ہے۔حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے جو تصوف کی تعریف میں کہا تھا: "تصوف یکسو نگریستن ویکساں زیستن است" تو انہی دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا تھا۔(۳)

Infact Allah's orders by the Prophet (peace be upon Him) based on them are essentially one for "Obey Allah and obey the Prophet. (5,xcii) The Holy prophet's orders are authorised and confirmed by Allah so that obedience to the Holy prophet's order is really obedience to Allah. "Whoever obeys the Prophet, he has obeyed Allah." **(4lxxx).**

مرزا عبدالقادر بیدل نے کیا خوب کہا ہے:

پیش از ایجاد با امید ظہور احمد　　　　داشت نورِ احدم در کفِ حلقہ میم

اسی طرح مولانا ظفر علی خاں کیا خوب فرماتے ہیں:۔

گر ارض وسما کی محفل میں" لَـولاکَ لَـمَـا "کا شور نہ ہو (۴)
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں ، یہ نور نہ ہو سیاروں میں

عملی تصوف ایک لحاظ سے حضور پرنور شافع یوم النشور، فخر دو عالم، نور مجسم ﷺ کی حیات مبارکہ کے ظاہری پہلو یعنی نبوت سے متعلق ہے اور نظری تصوف آپ کی نبوتِ اقدس کے معنوی پہلو یعنی ولایت سے وابستہ ہے۔دونوں ہی حضور رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے نورِ اقدس سے تصوف کا ایک رخ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اس رحمۃ للعالمین ختم المرسلین ﷺ کے نقش قدم سے وابستہ ہے، جسے دشمن بھی

صادق وامین مانتے تھے اور قرآنِ مجید فرقانِ حمید جس کے اسوۂ حسنہ کی یوں گواہی دیتا ہے:

''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''۔

اور تصوف کا دوسرا رخ غارِ حرا ''لی مع اللہ'' اور ''قاب قوسین'' کا عکس ہے جس کی حقیقت کا آئینہ حقیقت محمدیہ ''کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیاً'' اور ''لو لاک لما خلقت الافلاک'' سے ضیاء حاصل کرتا ہے۔
تصوفِ عملی نے اخلاص فی العمل سے حقیقی پاکیزگی یعنی نفسِ قالب اور روح کا سامان پیدا کیا اور تصوف نظری نے اہلِ حق کے قلوب میں عشقِ حق اور عشقِ رسول مقبول ﷺ کے چراغ روشن کیے۔ یہ چراغ ''یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ'' اور ''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہ'' کی کرنوں سے منور ہیں۔
حقیقت حال تو یہ ہے کہ:۔

ہر جزوِ کائنات کو ہے تیری احتیاج　　　ہوتا نہیں کسی کا گزارا تیرے بغیر

ارشادِ ربانی ہے:

''وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْناً وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰماً''۔(الفرقان:۶۳)

''خاص بزرگانِ الٰہی وہ ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں چھیڑیں تو وہ بجائے جواب کے ان کو کہہ دیتے ہیں کہ اچھا خوش رہو''۔

اور حضور سرورِ دوعالم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

''سمع صوت اھل التصوف فلا یؤمن علی دعائھم کتب عند اللہ من الغافلین''۔

''جس نے اہلِ تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ جل مجدہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا''۔(۵)

ع　ثباتِ زندگی ، ایمان محکم سے ہے دنیا میں (اقبالؒ)

پس طریقت چیست اے والا صفات　　　شرع را دیدن باعماق حیات (اقبالؒ)

حقیقت حال یہ ہے کہ تصوف مذہب کی روح ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں:۔

''التصوف ھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس وتصفیۃ الاخلاق وتعمیر الظاھر والباطن لنیل السعادۃ الابدیۃ موضوعہ التزکیۃ والتصفیۃ والتعمیر وغایتہ نیل السعادۃ الابدیۃ''۔

''یعنی تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیہ نفوس، تصفیۂ الاخلاق، تعمیرِ ظاہر و باطن کے احوال کا علم ہوتا ہے تا کہ سعادتِ ابدی حاصل کی جاسکے۔ اس کا موضوع بھی تزکیہ، تصفیہ اور تعمیرِ ظاہر و باطن ہے اور اس کی غایت و مقصد سعادتِ ابدی حاصل کرنا ہے۔''

اسی لئے بقول شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ:۔

''شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے لہٰذا تصوف اصل الاصیل پاکیزہ ترین تعبیر ہے''۔

اک شرع مسلمانی اک جذب مسلمانی
ہے جذب مسلمانی سر فلک الافلاک ۔(۶)

''ذکر اقبالؒ'' مولفہ عبدالمجید سالک سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ اقبالؒ نسبتِ بیعت کے قائل تھے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔(۷)

حضرت پیر جماعت علی شاہؒ نقشبندی علی پوری نے مئی ۱۹۳۵ میں فرمایا:۔

''اقبال نے رازداری کے طور پر مجھے کہا تھا کہ میں اپنے والد مرحوم سے بیعت ہوں۔ اقبالؒ کے والد کے پاس ایک مجذوب صفت درویش آیا کرتے تھے اور وہ انہی سے بیعت تھے ان کا سلسلۂ قادریہ تھا۔''(۸)

جبکہ علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی تالیف ''زندہ رُود حیاتِ اقبال کا تشکیلی دور'' میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

''معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نور محمد، سلطان العارفین حضرت قاضی سلطان محمود رحمہ اللہ اعوان شریف کے مرید تھے جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔''

اسی بنا پر علامہ محمد اقبالؒ بھی بچپن سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ جہاں اولیاءِ عظام اور صوفیاء کرام سے بے حد عقیدت و محبت رکھتے تھے وہاں آپ کے دل میں تحفظ و تکمیلِ شعائرِ اسلام کا بے پناہ جذبہ موجزن تھا۔

اس سلسلے میں ہفتہ وار ''اخبار کشمیری'' اور ''اقبال ریویو'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:۔

''اگر مذہبی پہلو سے اسلامی زندگی کو دیکھا جائے تو وہ قربانیوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً نماز ہی کو لو، وہ بھی قربانی ہے۔ خدا نے صبح کی نماز کا وقت مقرر کیا کہ جب انسان نہایت مزے کی نیند

میں ہوتا ہے اور جب بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا، خدا کے نیک بندے اپنے مولیٰ و آقا کی رضا کے لیے خوابِ راحت کو قربان کر دیتے ہیں اور نماز کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر نماز ظہر کا وہ وقت مقرر کیا جب انسان اپنی کاروباری زندگی کے انتہائی کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے اور اپنے کام میں انتہائی مصروف ہوتا ہے۔ عصر کا وقت وہ مقرر کیا جب دماغ آرام کا خواستگار ہوتا ہے اور تمام اعضاء محنت مزدوری کی تھکاوٹ کی وجہ سے آسائش کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ پھر شام کو نماز مقرر کر دی جب کہ انسان کاروبار سے فارغ ہو کر بال بچوں میں آ کر بیٹھتا ہے اور ان سے اپنا دل خوش کرنا چاہتا ہے۔ عشاء کی نماز کا وقت وہ مقرر کیا جبکہ بے اختیار سونے کو جی چاہتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کو آزمایا ہے کہ وہ میری راہ میں اپنا وقت اور اپنا آرام قربان کر سکتے ہیں یا نہیں"۔(۹)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۶ء کا ایک خط ملاحظہ ہو:۔

"لاہور کے حالات بدستور ہیں۔ سردی آ رہی ہے۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں پھر اس کے بعد نہیں سوتا سوائے اس کے کہ مصلے پر کبھی اونگھ جاؤں"۔(۱۰)

اقبال قبا پوشد در کار جہاں کو شد ‏ ‏ دریاب کہ درویشی با دلق و کلاہے نیست

اسی مقامِ جامعیت کے بارے میں حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:۔

شدہ عکس در عکس ایں بنا ‏ ‏ کہ فنا بقا ہے بقا فنا

حضرت علامہ محمد اقبالؒ بھی یوں فرماتے ہیں:۔

عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں
شکوہِ سنجر و فقرِ جنیدؒ و بسطامیؒ ‏ ‏ (بالِ جبریل)

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ ترا جمالِ بے نقاب ‏ ‏ (بالِ جبریل)

پاک مرداں چوں فضیلؒ و بوسعیدؒ
عارفاں مثل جنیدؒ و بایزیدؒ ‏ ‏ (جاوید نامہ)

According to Hazrat Junaid Baghdadi(R.A), Sufism is founded on Eight qualities;

**1-Generosity 2- Acceptance 3-patience 4-Signs**

**5-Poverty 6-Woollen Robe 7-Travelling 8-Piety.**

Similarly according to Abu Ali Quzwaini(R.A);

"Sufism is the name of good manners, good deeds, and the servant always accepts the will of Allah Almighty."

حضرت علامہ محمد اقبالؒ سے عبدالمجید ڈاکٹر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور نے دریافت کیا کہ آپ حکیم الامت کیسے ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک کروڑ مرتبہ درود شریف حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں پیش کیا، آپ بھی یہی وظیفہ کریں، حکیم الامت ہوجائیں گے۔

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود
از خجالت آب میگردد وجود
عشق میگوید که اے محکوم غیر
سینه از بتان مانند دیر
تا نداری از محمد رنگ و بو
از درود خود مے الانام او (اقبال)

علیہ ازکی صلاۃ تزل أبداً
ان پر ہمیشہ اعلیٰ درود ہو
مع السلام بلا حصر و لا عدد
ساتھ سلام کے بے حد بے حساب (قصیدۃ الہجرۃ النبویۃ الشریفۃ)

اسی سلسلے میں خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ کیا خوب فرماتے ہیں:

ونج ڈِٹھم مدینہ عالی
جتھ کون و مکان دا والی
ہے دھرتی عیبوں خالی
پیا نور رسالت چمکے

کشف المحجوب شریف جوکہ آئین تصوف اور تصوف کا انسائیکلوپیڈیا ہے، میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ حیرت انگیز حقائق کی نشاندہی فرماتے ہیں کہ تین قسم کے لوگوں سے دور رہنا چاہیے جو درج ذیل ہیں:

الف:۔ غافل علماء: جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا کعبہ، شریعتِ مطہرہ کو اپنے گھر کی لونڈی اور ظالم امراء کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر سجدہ گاہ بنالیا ہے۔

ب:۔ ریاکار فقراء سے: جو فقط اغراضِ نفسانی سے جاہ و عزت کا طمع رکھتے ہیں اور بے بنیاد باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اصلی فقیر وہ ہے جسے کسی چیز کے نہ کھو جانے کا غم اور نہ ہی کسی شے کے حاصل ہونے پر معمولی خوشی حاصل ہو، اس کی نگاہِ فقر میں متاعِ دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

ع۔ ''دل سے اٹھا غلاف ، اگر تو اٹھا سکے''

ج:۔ جاہل متصوف سے: جس نے نہ تو کسی مرشد کی صحبت پائی اور نہ ہی کسی استاد سے ادب سیکھا اور یوں ہی نیلگوں لباس پہن کر اپنے آپ کو صوفی مشہور کر دیا ہو۔

امراء اور بادشاہوں کے ظلم و ستم کا سبب بے علمی پر منحصر ہوتا ہے۔ علماء ہوس و طمع کا شکار اس وقت ہوتے ہیں جب وہ بد دیانتی شروع کر دیں اور فقراء کی ریاکاری کی وجہ اللہ جل مجدہ پر توکل نہ ہونا ہے۔ اسی لئے بے علم بادشاہ یا امیر، غیر محتاط عالم اور بے توکل فقیر، شیطان کا دوست ہوتا ہے اور مخلوقِ خدا کی تباہی و بربادی ان تینوں گروہوں کی خرابی کی وجہ سے منظر عام پر آتی ہے۔ (۱۱)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی، ''تصوفِ اسلام'' میں فرماتے ہیں:

''اس کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعہ روایات و حکایات نہیں بلکہ ایک مستند اور محققانہ تصنیف ہے''۔

معاملاتِ تصوف کے سلسلے میں یوں فرمایا:

''صوفی وہ ہے جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو، جب کلام کرے تو حقائق و معارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں اور خاموش رہے تو سچی درویشی اس کی خاموشی سے ظاہر ہو''۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو شخص خدا کے ساتھ دل صاف رکھے اسی کو صوفی کہتے ہیں''۔

صاف شو باحق نہان و آشکار — صوفیان صاف را این ست کار (۱۲)

حقیقت یہ ہے کہ صحیح مذہب انسان کے تمام داعیات کی تسکین کا موجب بنتا ہے اور عقل و دانش کے سر چشموں کو کبھی بھی خشکی کی طرف مائل نہیں ہونے دیتا کیونکہ جذباتِ عمل کی داعیات کا سامان موجود ہوتا ہے۔

دگر آئین تسلیم و رضا گیر — طریق صدق و اخلاص و وفا گیر (ارمغان حجاز)

بعض لوگ ''صوفی'' کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کملی اوڑھتا ہے۔ کچھ لوگوں کے مطابق وہ اللہ

تعالیٰ کی یاد میں صف اوّل میں ہوتا ہے۔ایک تیسری جماعت کے قول کے مطابق وہ اصحاب صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے محبت کرتا ہے۔ رابعاً صوفی ''صفا'' سے مشتق ہے۔ ہر ایک نے تصوف کے معانی ومطالب اور طریقت کے سلسلے میں لطائف وتوضیحات اور باریکیاں بیان کی ہیں۔اگر ''صفا'' بمعنی ''صفائی'' ہے تو صفائی ہر پہلو سے مناسب ہے اور صفائی کی ضد کدورت ہے۔

حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:۔''ذھب صفو الدنیا وبقی کدرھا''.

''دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی''۔(۱۳)

Hazrat Dhannun Misri (R.A) said;

> "The sufi is he who speaks truth. In his silence, all parts of his body give evidence of his absorption of God."

Hazrat Abu Bakr Shibli(R.A) said;

> "Sufism is paganism, because Sufism is the name for guarding the heart against other than Allah, whereas, infact, there is nothing other than Allah".

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ایک فلاسفر تھے بلکہ خوش نوا شاعر، مصلح ملت، مفکر اسلام، مبصر و ناقد اور عظیم المرتبت صوفی باصفا تھے۔ان میں بصیرت وبصارت اور فراست ودانش بدرجہ اتم تھی۔فلاسفر صحرائے حیرت میں تعقل وتفکر میں گم رہتا ہے اور اسے تحیر و درماندگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا جبکہ عشق حقیقی کی وجہ سے بامراد ہوتا ہے اور نتیجتاً تجلیٔ ربّ ذوالجلال کی ذات اقدس میں گم ہو کر ذکر حبیب ﷺ سے وصل حبیب ﷺ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

کافر ہندی ہوں میں ، دیکھ میرا ذوق و شوق
لب پہ درود و سلام دل میں درود سلام
ہر دو بمنزلے رواں ہر دو امیر کارواں
عقل بحیلہ مے برد ، عشق برد کشاں کشاں

شاعر مشرقؒ اپنے ابتدائی دور کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان (حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم") کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں ہوتا رہا۔ گو بچپن میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم درس میں ہر روز شریک ہوتا تھا"۔ (۱۴)

علامہ محمد اقبال ؒ کی تعلیم و تربیت میں تصوف کا رنگ بدرجۂ اتم تھا۔ لندن میں بھی حصول تعلیم کے دوران آپ نے شمعِ تصوف کو ہر طرح سے فروزاں رکھا۔ مراقبات اور تہجد کے نوافل آپ کی زندگی کا معمول تھا۔

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

According to William Stoddart:

"There is no Sufism without Islam. Sufism is the spirituality of Islam, the *Shariat* is the vehicle and expression of *Haqiqat* and this is why the Sufism are always amongst the most ordent defenders of outward Law (*Shariat*). In summary Sufism cannot be other than orthodox. This is because the doctrines of Sufism was derived entirely from Qur'an, which is the basic of Islamic orthodoxy. This refutes the allegations that Sufism developed chiefly as a result of such influences from extraneous source as Neoplationism, Christianity or the Indian Religions.(۱۵)

Regarding the dedication of Hazrat Siddiq-i-Akbar (R.A) Allama Iqbal stated:

The lamp Suffices for the moth,

And the flower for the nightingale,

For Siddiq-i-Akbar, Allah and His Prophet are enough.

دراصل صوفی ہی حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہمدل و ہمزبان ہو کر چلتے ہیں۔

بیا تا کار ایں امت بسازیم　　قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر　　کہ دل در سینہ مُلّا گدازیم

فقر بخشی ! باشکوہ خسروپرویز بخش
یا عطا فرما خرد یا فطرتِ روح الامین

علامہ محمد اقبالؒ جو عاشقِ رسول مقبول ﷺ، دانائے راز، پہاڑوں سے بلند حوصلہ رکھنے والی ہستی، کامل واکمل پیر رومی رحمہ اللہ سے اس حد تک متاثر تھے کہ انہیں پیرومرشد تسلیم کیا اور ان سے بے حد فیض حاصل کیا کیونکہ موصوف ممدوح نے قرآنی تعلیمات کو ایک مخصوص انداز میں مثنوی میں بیان کیا ہے جس کے وہ اپنے کلام میں بھی معترف ہیں:

پیر رومی خاک را اکسیر کرد　　از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

حضرت پیر رومی نور اللہ مرقدہ نے راہِ طریقت میں مرشد وہادی کی اہمیت اس طرح فرمائی ہے:

پیر راہ بگزیں کہ بے پیر ایں سفر　　ہست بس پر آفت وخوف وخطر

اسی لئے شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال نور اللہ مرقدہ نے ان کی اس طرح تقلید کی:

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

حقیقت حال یہ ہے کہ اسلامی معاشرت کا ہمہ جہتی محور ومرکز عشقِ رسول اللہ ﷺ ہے، جو مسلمان کی زندگی کا مقصود ومنتہا اور اول وآخر ہے۔

بمصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے!

جس جگہ یار کا نقشِ کفِ پا ہوتا ہے
بس وہیں کعبۂ اربابِ وفا ہوتا ہے

" The place where there is the print of the friends footship,surely that very place is the Ka'ba of the Faithful and the Loyal"(۱۲)

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے حضور، دانائے راز حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ آپ کی روحانی رفعت وعظمت اور دینی خدمات کے معترف ہوتے ہوئے اس طرح درج ذیل وجد آفرین اشعار پیش

کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:

سید ہجویر مخدومِ امم | مرقدِ او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسخیت | در زمینِ ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد | حق ز حرف او از بلند آوازہ شد
پاسبان عزتِ ام الکتاب | از نگاہش خانۂ باطل خراب
خاک پنجاب از دمِ او زندہ گشت | صبح ما از مہر او تابندہ گشت (۱۷)

اسی طرح "بانگِ درا" میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالی جنہیں "پیر سنجر" کہا جاتا ہے، سے عقیدت ومحبت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے۔

دل بے تاب جا پہنچا دیارِ پیر سنجر میں
میسر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی (۱۸)

حقیقت حال یہ ہے جسے حضرت علامہ محمد اقبالؒ اس طرح فرماتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(Lips cannot disclose what is being observed by eyes,there will be most amazing and wonderful change in the world).

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ایک خط ۲۹ر مارچ ۱۹۰۰ء بنام مہاراجہ سرکشن پرشاد میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا مگر افسوس ہے کہ پیر سنجر کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا انشاء اللہ پھر جاؤں گا اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا۔ (۱۹)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مرے ٹی ٹائٹس (Muray. T. Titus) اس طرح رقم طراز ہے:

" His tomb at Ajmer is the centre of attraction for tens of thousands of Muslim and even Hindus, who annually visit the city on the occasion of the "Urs" or festival, which celebrates the anniversary

of the death of the saint". (۲۰)

اسی طرح حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو ، وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری ، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت ، نظام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے (۲۱)

"زبور عجم" میں حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو مولانا روم اور حضرت شمس تبریز رحمہما اللہ کا رمز شناس فرماتے ہیں:

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ، رمز آشنائے روم و تبریز ست

اسی طرح ایک اور جگہ گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نہ اٹھا پھر کوئی رومیؒ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں ، وہی تبریز ہے ساقی (۲۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

عطارؒ ہو ، رومیؒ ہو ، رازیؒ ہو ، غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی (۲۳)

اسی طرح شیخ فخر الدین عراقی ؒ اور حضرت جامی کی خدمت اقدس میں اس طرح نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں:

کہے شعر عراقی را بخوانم کہے جامی زند آلش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را شریک نغمہائے سار بانم (۲۴)

حضرت بوعلی قلندرؒ پانی پتی کے حضور اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

با تو مگویم حدیث بوعلی — در سواد ہند نام او جلی
آن نوا بسیرای گلزار کہن — گفت باما از گلِ رعنا سخن
خطۂ ایں جنت آتش نژاد — از ہوائ دامنش مینو سواد (۲۵)

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسروؒ (۲۶)

خواجہ اقبال علیہ الرحمہ کے بارے میں اظہار عقیدت اس طرح پیش کیا:

محو اظہار تمنائے دل ناکام ہوں — لاج رکھ لینا، تیرے "اقبال" کا ہمنام ہوں

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلعِ انوار (۲۷)

حضرت میاں میر رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا:

تربتش ایمانِ خاک شہر ما — مشعل نور ہدایت مہر ما (۲۸)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسرار و رموز میں حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

شیخ احمدؒ سیّد گردوں جناب — کاسب نور از ضمیرش آفتاب
گل کہ می پوشد مزارِ پاک او — لا الٰہ گویاں دمد از خاکِ او

۱۹۲۹ء میں انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کے سالانہ جلسے کی آپ صدارت فرما رہے تھے۔ کسی نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرع کہنا شروع کر دیا "رضائے خدا اور رضائے محمد ﷺ"

اس پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار پڑھے:

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمدؐ
تعجب تو یہ ہے کہ فردوسِ اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمدؐ

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''صوفی وہ ہے جو خلّت حضرت ابراہیم علیہ السلام، تسلیم حضرت اسماعیل علیہ السلام، اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام، صبر حضرت ایوب علیہ السلام، شوق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اخلاص رسالت مآب ﷺ حاصل کرے''۔

مزید فرماتے ہیں: ''تصوف ایسی نعمت ہے کہ بندہ کا قیام اس پر منحصر ہے، اس کی حقیقت نعمت حق اور رحمت نعمت خلق ہے''۔ اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا: ''ماسویٰ اللہ کو ترک کرنا اور خود فنا ہو جانا تصوف ہے۔(۲۹)

پروفیسر نکلسن تصوف کی منازل و مقامات کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہے:

"Mystics of every race and creed have described the progress of all the spiritual life as a journey or a pilgrimage.Other symbols have been used for the same purpose but the one appears to be almost universal in its range.The Sufi who sets out to seek God, calls himself or"Traveller"(*Salik*), he advances by slow stages (*Maqamat*) along a "Path"(*Tariqat*) to the goal of union with Reality(*Fana-fil-Haqq*)"(۳۰)

اسی طرح این میری شمل کی معنی خیز رائے کے مطابق:

"Sufism traces its origin back to the Prophet of Islam and takes inspiratin from the Divine word as revealed through him in the "Koran."(۳۱)

تاریخ تصوف کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہلِ تصوف حصول فیوض و برکات کے لیے اولیائے کاملین کے مزاراتِ مقدسہ پر کسب فیض کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ جس طرح امام شافعی علیہ الرحمہ نے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید علی مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار پر چلہ کشی کی۔

بقول خواجہ عابد نظامی:

خواجۂ اجمیرؒ ان سے فیض یاب
نیرِ تاباں ہیں داتا گنج بخشؒ

اسی طرح رفیع الدین ذکی قریشی کیا خوب فرماتے ہیں:

آج ہجویریؒ جو ہوتے ان کا ہوتا میں مرید
اے ذکی ارشاد ہے یہ سید بغدادؒ کا

شاعرِ مشرق حضرت علامہ محمد اقبال نور اللہ مرقدہ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ جانے سے قبل حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء زری زر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ پُر انوار پر حاضری کا شرف حاصل کیا اور کہا:

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو (۳۲)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ گوہر بار پر متعدد بار حاضری دی اور پروفیسر عبدالقادر کے بقول حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے خود انہیں فرمایا کہ ''حضرت قاضی سلطان محمود کے ارشادِ عالیہ کے مطابق وہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی نور اللہ مرقدہ کے مزارِ پُر انوار جو کہ مرجع خلائق ہے پر حاضر ہوئے اور وہاں پر عالم رویاء میں اشارہ ہوا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔ چنانچہ اس اشارہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ عالیہ پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ (۳۳)

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، عارف کامل حضرت مولانا محمد ہاشم جان سرہندی سے اس طرح مخاطب ہوئے: ''اس روحانی تجربے (مزارِ پُر انوار حضرت مجدد الف ثانیؒ پر مراقب ہونے) کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ مزاراتِ اولیاء فیضان سے خالی نہیں۔ (۳۴)

بقول حفیظ تائب:

خیر و برکت کے خزانے حق نے بخشے آپ کو
فیض گستر ہیں من اللہ، یوں بجا ہیں گنج بخشؒ

اسی لئے مولانا جلال الدین رومیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرد اند زراہ

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء
گفتہ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

Allama Iqbal himself Quoted:

"It was from him (Rumi) that I got my convictions and in this, even moon and stars helped me. He opened to me his hearts and from dust arose a new world."

مولانا عبدالمجید سالک نے ''ذکر اقبال'' اور ''سرگذشت'' میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے علامہ محمد اقبالؒ کی عقیدت کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کو ہندوستان کے اولیاء کرام میں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ ۱۹۳۳ء میں جون کے مہینے میں انہیں خیال آیا کہ سرہند شریف کی زیارت کرنی چاہیے۔ چنانچہ انتہا درجے کے آرام طلب ہونے کے باوجود وہ شدید گرمی میں سرہند شریف گئے اور واپس آ کر یہ نظم لکھی جو ''بال جبریل'' میں موجود ہے:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذروں سے شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں — اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار (۳۵)

اور پھر آخر میں کس حسرت سے حضرت مجددؒ سے ملتجی ہیں:

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی ! (۳۶)

علامہ محمد اقبالؒ نے موسیقی کو جزو عبادت قرار نہیں دیا بلکہ عدم جواز میں یہ ذکر ہے۔

الف:۔ اسلامی تصوف نے بھی موسیقی کو جزو عبادت نہیں قرار دیا۔

ب:۔ اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔

ج:۔ تصوف اسلامی نے نماز با جماعت پر زور دیا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ نے جس انداز سے مغربی دنیا میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کروایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چار سو سال گزرنے کے بعد جدید نفسیات اس بلندی تک نہ پہنچی جہاں چار سو سال قبل

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پہنچ چکے تھے۔ بقولِ اقبالؒ:

ع۔ کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے (۳۷)

اسی طرح ایک مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ قطب دوراں میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو نماز کے وقت پہلی صف میں کھڑا کیا۔ اس سے اولیائے کرامؒ کے دل میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وعظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں سنتِ رسول مقبول ﷺ ہو۔ نیز صوفی وہ بھی ہے جس کی گفتار وکردار میں فرق نہ ہو اور جو اخلاق کی تہذیب کا کام کرے۔

صوفیائے کرامؒ نے درج ذیل دس مقامات کا انتخاب کرلیا ہے جو فقر کے لیے لازم وملزوم ہیں:

۱۔توبہ ۲۔زہد ۳۔توکل ۴۔صبر ۵۔شکر

۶۔خوف ۷۔رجا ۸۔رضا ۹۔قناعت ۱۰۔فقر

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درج بالا اقوال پر حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ من وعن پورے اترتے ہیں (۳۸)

حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب کہا ہے:۔

ان الصفاء صفة الصديق ان اردت صوفيا على التحقيق (۳۹)

"بے شک صفا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے، اگر تو کامل واکمل صوفی بننے کا ارادہ رکھتا ہے تو جس راستے کو انہوں نے اپنایا تو بھی اسے اپنا کر کاملین واکملین کے گروہ میں شمولیت اختیار کرلے"۔

ویسے بھی نقشبندیہ سلسلہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل عالیہ سے حضور پُرنور سرکارِ دوعالم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ اسی سلسلے سے ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کو فیض حاصل ہوا۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ خود تصوف کے رنگ میں ڈھل کر ایک عظیم صوفی باصفا ہو چکے تھے۔ اسی لئے ان کی عمیق نگاہوں نے دیکھا کہ تصوف رسم ورواج کا نام بن چکا ہے اور حقیقی روح ختم ہو چکی ہے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا:۔

فقر را ذوق عریانی نہ ماند آں جلال اندر مسلمانی نہ ماند

امت مسلمہ کو فقیر کی حقیقت سے آشنا کرتے ہوئے کہا:۔

بس آں فقرے کہ راند راہ را بیند از خودی اللہ را

اندروں خویش جوید لا الہ ورنہ از شمشیر گوید لا الہ

اسی طرح ایک اور مقام پر فقر کے بارے میں فرمایا:۔

چیست فقر اے بندگان آب و گل یک نگاہ راہ بیں یک زندہ دل

با سلاطین در فقر مرد فقیر از شکوہ بوریا لرزہ سریر

According to Hazrat Junayd(R.A)"Sufism is an attributes, wherein is Man's Subsistene".(۴۰)

حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ہی متاثر تھے اسی لئے اپنی کتب میں ان کے متعلق فرماتے ہیں:

دگر بمدرسہ ہائے حرم نمی بینم
دل جنیدؒ و نگاہ غزالیؒ و رازیؒ (ارمغان حجاز)

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدیؒ و اردشیری (بال جبریل)

''ارمغان حجاز'' میں شاعر مشرق علیہ الرحمہ نے عزت بخاری کا یہ شعر بالخصوص نقل فرمایا ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

حضرت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نصف شب بہت ہی مشہور ہے جس کی تصدیق مولانا عبدالستار نیازی مرحوم ومغفور نے بھی کی۔ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز نصف شب علامہ اقبال اپنے بستر پر لیٹے ہوئے نہایت ہی مضطرب حالت میں تھے۔ بالآخر اٹھے اور کوٹھی (میکلوڈ روڈ) کے باہر گیٹ پر تشریف لے گئے۔ علی بخش، خادمِ خاص بھی ساتھ تھے۔ اتنے میں ایک بزرگ کامل واکمل سفید لباس میں تشریف لائے۔ حضرت علامہ نے انہیں پلنگ پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ گئے اور اس بزرگ کے پاؤں دبانے لگ گئے۔ پھر ان سے حضرت علامہ نے دریافت کیا کہ آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں۔ موصوف ممدوح نے فرمایا: دہی کی لسی۔ اس پر حضرت اقبالؒ نے علی بخش کو جگ لے کر باہر سے لسی لانے کے لیے کہا۔

علی بخش کہتا ہے کہ میں نے سوچا اس وقت دہی کی لسی یا تو بھاٹی سے یا لاہور اسٹیشن سے ملے گی۔ لیکن جب میں کوٹھی سے باہر نکلا تو میری حیرانگی کی حد ہوگئی کہ کوٹھی کے سامنے ایک بازار ہے اور وہاں ایک لسی

کی دکان ہے جہاں ایک سفید ریش بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں، میں وہاں گیا۔ انہوں نے مجھے لسی بنا کر دے دی۔ جب میں نے پیسے پوچھے تو اس سفید ریش بزرگِ کامل دکاندار نے جواب دیا کہ علامہ محمد اقبالؒ کے ساتھ ہمارا حساب چلتا رہتا ہے۔ میں نے وہ لسی کا جگ علامہ محمد اقبالؒ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ایک گلاس بھر کر اس بزرگ کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے پی لیا۔ پھر دوسرا گلاس پیش کیا تو انہوں نے علامہ محمد اقبالؒ کو فرمایا: خود پی لو۔ کافی وقت تک علامہ محمد اقبالؒ ان کے قدم دباتے رہے اور محو گفتگو رہے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بزرگ کوٹھی سے باہر آئے اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں (علی بخش) حیران و ششدر تھا کہ وہ ہستیِ کامل کہاں چلی گئی اور اب نہ ہی باہر کوئی بازار تھا۔ میں نے اس کے بارے حضرت علامہ محمد اقبالؒ سے استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا:

''علی بخش جو بزرگ کوٹھی کے اندر تشریف فرما ہوئے تھے وہ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جس بزرگ نے لسی بنا کر دی وہ سید مخدوم علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے''۔

لیکن علامہ محمد اقبالؒ نے علی بخش سے مزید فرمایا کہ ان ناموں کا انکشاف میری حینِ حیات میں نہ کرنا۔

میں سمجھتا ہوں حضرت علامہ محمد اقبالؒ جہاں آخری عمر میں صحیح معنوں میں عاشقِ رسولِ مقبول ﷺ تھے وہاں فنا فی الگنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ (۴۱)

بقول حکیم نیّر واسطی:

شہر لاہور کہ ہے سجدہ گہِ اہلِ نظر
مردِ ہجویرؒ کا نقشِ کفِ پا رکھتا ہے

تصوف کی تاریخ پر حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مبسوط مقالہ ''مکاتیب اقبال حصہ دوم'' میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی اور اردو میں بھی کئی ایک مضامین ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ہر جگہ اس تصوف کے بارے میں فرمایا ہے جو جمود و تعطل کا شکار نہ ہو اور نہ ہی گوشۂ تنہائی میں آرام کرنے کا نام ہے۔ بلکہ وہ اس تصوف کے قائل تھے جو اسوۂ شبیری کا درس دیتا ہے:۔

فقر عریاں بانگ تکبیر حسینؓ    فقر گریاں گرمیٔ بدر و حنین

آج ہم محبتِ اقبال کے بہانگِ دہل دعوے کرتے ہیں، فکرِ اقبال سے رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں، سرکاری طور پر یومِ اقبالؒ بھی مناتے ہیں لیکن ستم ظریفی اس حد تک ہے کہ ہنوز ''فقرِ اقبال'' ہمارا وظیفہ نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اس ''فقر'' کو اپنائیں بلکہ حرزِ جان بنائیں جو ہمیں نہ صرف غیور و صبور

بنادے بلکہ یہ ہمارا اٹھنا، بیٹھنا، اوڑھنا، بچھونا، چلنا، پھرنا، جاگنا، سونا ہو۔

ابھی وقت ہے کچھ باقی سنبھل جا　　　چھوڑ کر جام وسبو ساقی سنبھل جا
کر کے ترک سرود و رنگ ساتھی سنبھل جا　　　کرنا ہے تجھے سفر کافی سنبھل جا

حقیقت حال یہ ہے کہ آج تصوف بے حقیقت نام ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل یہ حقیقت ہی حقیقت تھی، جس کا کوئی نام نہ تھا۔ یعنی عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ میں تصوف نام کا نہ تھا اس کا معنی مفہوم ہر شخص میں پایا جاتا تھا۔ اس دور میں نام موجود ہے مگر معنی عنقا ہے۔ اس وقت افعال واعمال انتہائی پسندیدہ تھے مگر کسی قسم کا دعویٰ یا نام موجود نہ تھا۔ اس زمانے میں دعویٰ اور نام کی بڑی شہرت ہے مگر اعمال وافعال کا کچھ علم نہیں۔ عارف کے لیے عالم ہونا ضروری ہے۔ لیکن ہر عالم عارف نہیں ہوسکتا۔ یہی تصوف عین اسلام بلکہ حقیقتِ اسلام ہے۔ حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ گنجینۂ حکمت ومعرفت ہے اور تصوف کی تعلیمات کا نچوڑ ہے کیونکہ:۔

Sufism is the latest , easiest, simplest, quickest and the most successful of all mystical systems in world. It advocates full participation in the worldly affairs unlike other mystical disciplines, which are characterised by world renunciation and ascetism.(۴۲)

با ایں پیری رہے بطحا گرفتم　　　نواخواں از سرور عاشقانہ
با آں مرغ کہ در صحرا سر شام　　　کشاید پر نہ فکر آشیانہ

The following words of the Holy Qur'an are always before Mutsawwuf:

"Say, verily, my prayer, and my sacrifice, and my life, and my death, are for Allah, the Lord of the worlds."(۴۳)

شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک تصوف کا یہی نچوڑ تھا۔

# حوالہ جات


۱۔ اقبال نمبر سالنامہ ''راوی'' گورنمنٹ کالج لاہور ۱۹۶۹ء، ص ''الف''۔

۲۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، مکتوب نمبر ۳۵، لاہور، ص ۷۸۔۷۹۔

۳۔ رانا، غلام سرور، پروفیسر، حضرت مخدوم علی ہجویریؒ اور تصوف، لاہور، ص ۱۹۔

۴۔ Ghulam Sarwar Rana, Islam, Mysticism (Tasawwuf) and Kashful-Mahjoob, Lahore,1996 .pg5.

۵۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ اور تصوف، ص ۲۰، ۲۱۔

۶۔ القشیری، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن ''الرسالہ القشیریہ'' حاشیہ، ص ۷۔

۷۔ سالک، عبدالمجید، ذکر اقبال، ص ۲۴۸۔ ۸۔ ایضاً، ص ۲۹۸۔

۹۔ اقتباس از ہفتہ وار ''اخبار کشمیری'' ۱۴ جنوری ۱۹۱۳ء از بشیر احمد ڈار مرتبہ ''انوار اقبال'' لاہور اکادمی ۱۹۷۷ء، طبع دوم، ص ۲۷۸۔۲۷۹، ''اقبال ریویو'' جولائی ۱۹۸۴ء۔

۱۰۔ عبدالواحد، سید، نقش اقبال، لاہور سن ندارد، ص ۳۵، ۳۶۔

۱۱۔ الہجویری، علی بن عثمانؒ، کشف المحجوب، اردو ترجمہ از سید فاروق القادری، لاہور ۱۹۸۹ء، ص ۳۷، ۱۰۰، ۱۰۱

۱۲۔ محمد ذوقی شاہ، سید، سر دلبراں، کراچی، ۱۴۰۵ ہجری، ص ۱۰۔

۱۳۔ علی بن عثمان الہجویریؒ، کشف المحجوب اردو ترجمہ از علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور ۱۴۱۳ھ، ص ۱۲۰

۱۴۔ ڈار، بشیر احمد، انوار اقبال، لاہور اکادمی ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۸۔

۱۵۔ Mysticism(Tasawwuf) and Kashf-ul-Mahjoob Islam, Lahore 1996,pg-5

۱۶۔ Ibd - pg-13.

۱۷۔ محمد اقبالؒ، علامہ، ڈاکٹر، کلیات اقبال حصہ فارسی، اسرار و رموز، لاہور، ص ۵۲۔

۱۸۔ محمد اقبالؒ، علامہ، ڈاکٹر، بانگ درا، لاہور، ص ۱۶۷۔

۱۹۔ اقبال نامہ، ج ۲، ص ۱۹۵، ۱۹۴۔

۲۰۔ Titus M.t. Islam in India and Pakistan, Karachi 1990 pg-124.

۲۱۔ بانگ درا، لاہور، ص ۹۶، ۹۷

۲۲۔ قدوسی، اعجاز الحق، اقبال کے محبوب صوفیاء، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۳۶۔

۲۳۔ کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی لاہور، ص ۳۴۸۔

۲۴۔ محمد اقبالؒ، ارمغان حجاز۔

۲۵۔ محمد اقبالؒ، اسرار و رموز، ص ۲۰۷۔

۲۶۔ محمد اقبالؒ، بال جبریل، ص ۱۰۷۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۰۴۔

۲۸۔ اسرار و رموز، ص ۷۱، ۷۰۔

۲۹۔ سرّ دلبراں، ص ۱۰۔

۳۰۔ رینالڈ اے نکلسن، دی مس ٹکس آف اسلام، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۲۸۔

۳۱۔ The Sufi Path "series Book " Lahore , pg-36.

۳۲۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، نومبر ۱۹۹۰ء، ص ۷۵۔

۳۳۔ سیرت مجدد الف ثانیؒ، ص ۳۶۸۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۳۶۸۔

۳۵۔ بال جبریل، ص ۳۱۱، ۳۱۲۔

۳۶۔ بال جبریل، ص ۱۰۔

۳۷۔ ماہنامہ نور اسلام، حضرت مجدد الف ثانی نمبر، شرق پور شریف، جنوری ۱۹۸۸ء، ص ۴۴۲، ۴۴۳۔

۳۸۔ علی بن عثمان الہجویریؒ، کشف المحجوب، نسخہ والنتین ژوکوفسکی، تحقیق نویں محمد عباسی، تہران، موسسہ مطبوعاتی امیر کبیر، ص ۴۷۔

۳۹۔ علی بن عثمان الہجویریؒ، کشف المحجوب اردو ترجمہ ظہیر احمد بدایونی، ظہیر المطلوب، لاہور ۱۹۰۹ء، ص ۱۵

۴۰۔ Islam,Mysticism(Tasawwuf) and Kashf-ul-Mahjoob, Lahore 1996,pg-28.

۴۱۔ سہ ماہی مجلہ ''معارف اولیاء'' لاہور ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳۔

۴۲۔ The Sufi Path "series Book" iii Lahore pg-6 (The Association of Spiritual Training Lahore).

۴۳۔ الانعام: ۶:۶۲

# علامہ محمد اقبالؒ اور تصوف۔ایک ہمہ جہتی جائزہ

☆غلام حیدر چشتی

کم وبیش ایک ہزار سال سے تصوف مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے دور کے بعد بھی ایک عرصہ تک تصوف بطور ایک مسلک اور نظامِ فکر کے رائج نہیں تھا، یہاں تک کہ ہمیں قرنِ اوّل میں تصوف کی اصطلاح تک نہیں ملتی۔اگرچہ حضرت امیر معاویہؓ نے کلمہ ''صوفی'' کو اپنے اس شعر میں استعمال کیا ہے!

قَدْ کُنْتَ تشبه صوفیا له کتب　　　　مِن الفرائض و آیات القرآن (۱)

ترجمہ: حالانکہ تو ایسے صوفی سے مشابہت رکھتا ہے، جو فرائض اور احکامِ دین کی کتابوں کا وارث اور مالک ہے۔

''صوف'' کا لفظ دنیا وما فیہا سے بے نیازی کی علامت ہے۔مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ بھی بعض اوقات ''صوف'' کا لباس پہنتے تھے جس سے ان کا مقصد فقر اور بے نیازی کا اظہار تھا۔چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے:

''تم صوف کا لباس استعمال کرو، اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔اس عہد کے دیگر اکابر نے بھی سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی میں صوف کا لباس پہنا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ: ''میں نے ستر صحابہؓ کو جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے صوف کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا''۔حضرت صدیق اکبرؓ بھی صوف کا لباس پہنتے تھے۔حضرت اویس قرنیؒ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔اس سے ثابت ہوا کہ کلمۂ تصوف، صوف سے مناسبت رکھتا ہے، لیکن تصوف اور صوفی کی اصطلاحات بطور ایک مسلک اور مکتبِ فکر کے زمانہ مابعد میں وجود میں آئی ہیں۔

---

☆پروفیسر شعبہ عربی و اسلامیات، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، سرگودھا روڈ فیصل آباد۔

مناسب ہوگا، اگر ہم کلمۂ تصوف کی تحقیق مختلف محققین کے حوالے سے مجملاً بیان کر دیں تا کہ مفہوم ومعانی کے لحاظ سے اس کی مناسب وضاحت ہو جائے کیونکہ اپنے مفاہیم کے اعتبار سے اس نے ایک مسلکی حیثیت اختیار کی۔

علامہ لطفی جمعہ نے اپنی کتاب ''تاریخ فلاسفۃ الاسلام'' میں یہ خیال پیش کیا ہے کہ لفظِ صوفی یونانی زبان کے کلمے ''شیو صوفیاء'' (Theo Sophists) سے مشتق ہے، جس کے معنی حکمتِ الٰہی کے ہیں۔

ابو ریحان البیرونی (م ۴۴۰ھ/ ۱۰۴۸ء) اپنی مشہور تصنیف ''کتاب الہند'' میں لکھتا ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں ''سین'' سے تھا اور اس کا مادہ ''سُوف'' تھا جس کے معنی یونانی زبان میں ''حکمت'' کے ہیں، اور دوسری صدی ہجری میں یونانی کتابوں کے تراجم کے ذریعے جو ابن رشد اور الفارابی وغیرہ نے کیے، یہ لفظ عربی زبان میں آیا۔ چونکہ حضراتِ صوفیاء میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا ہے، اس لئے لوگوں نے انہیں ''سوفی'' یعنی حکیم کہنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ ''سوفی'' سے ''صوفی'' بن گیا۔ (۲)

کلمۂ تصوف کے ماخذ پر بحث سے قطع نظر، اسلامی تصوف کی بنیاد فلسفہ پر نہیں بلکہ اسلام پر ہے، یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ اسلامی تصوف میں عہد بہ عہد بیرونی اثرات اور تعلیمات داخل ہوتی چلی گئیں جنہوں نے اس کی تعلیمات اور تصورات کو مسخ کر دیا۔

شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ (م ۴۶۵ھ بمطابق ۱۰۷۳ء) اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''لوگوں نے اس اسم کی بہت تحقیق کی ہے اور اس سلسلے میں بہت سے اقوال پیش کئے ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اہلِ تصوف کو ''صوفی'' اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ''صوف'' کا لباس پہنتے ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برگزیدگی میں صفِ اول میں ہوتا ہے، ایک اور گروہ کے مطابق اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اصحابِ صُفّہ سے محبت کرتا ہے، ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ اسم لفظِ ''صفا'' سے مشتق ہے اور اسی طریقے کی تحقیق کے مطابق ان معانی میں ہر شخص نے لطیف اشارات بیان کئے ہیں، لیکن وہ سب لغوی تعلق کے لحاظ سے حقیقی معنی سے دور ہیں، پس صفائی، سب امور میں محمود ہے اور طبیعت کی آفت سے بیزاری اختیار کرتی ہے، اس لئے ان لوگوں کو ''صوفی'' کہتے ہیں''۔ (۳)

اس رائے کے مطابق شیخ علی ہجویریؒ صوفی کو 'صفا' سے مشتق مانتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے "ہاں اور بے شک جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے، اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو تمام جسم فاسد ہوتا ہے، ہاں وہ قلب ہے"۔ معنی کے اعتبار سے سید علی ہجویریؒ کی مذکورہ رائے صحیح ہے، لیکن لفظ کے اعتبار سے درست نہیں۔ ''صفا'' سے جو لفظ مشتق ہوگا وہ ''صفوی'' ہے نہ کہ ''صوفی''۔ اسی طرح ''صف'' سے ''صفی'' ہوگا نہ کہ ''صوفی''۔ ابونصر عبداللہ السراج الطوسی (م ۳۷۸ھ بمطابق ۹۸۸ء) نے ''کتاب اللمع'' میں تحریر کیا ہے:

> ''لفظ صوفی کی نسبت لباس صوف سے ہے جو انبیاء، اولیاء اور اصفیاء کا لباس تھا، جس طرح حضرت عیسیٰ کے ساتھی حواری کہلاتے تھے جس کے معنی سفید لباس والوں کے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اگرچہ یہ لفظ نہیں ملتا تو اس کا سبب یہ ہے کہ صحابی سے بڑھ کر کوئی اور لفظ معزز نہ تھا۔ یہ غلط ہے کہ اہلِ بغداد نے یہ لفظ اختیار کیا۔ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے زمانے میں بھی یہ لفظ رائج تھا اور تاریخِ مکہ میں محمد بن اسحاق اور دوسرے مؤرخین کی سند پر یہ روایت کی گئی ہے کہ یہ لفظ عہدِ اسلام سے پہلے بھی رائج تھا۔ (۴)

علامہ ابن جوزی کے خیال کے مطابق لفظِ صوفی ''صوفة'' سے نکلا ہے۔ صوفة، زمانۂ جاہلیت میں ایک قبیلے کا نام تھا جو حج کے زمانے میں حجاج کی رہنمائی کرتے تھے، یہ قول قرینِ قیاس ہو سکتا ہے لیکن اس ضمن میں کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا، پھر یہ کہ قبیلے تک محدود نام دنیائے عرب میں کیونکر پھیلا۔

علامہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ۔ ۱۳۲۸ء) اپنے رسالے ''صوفیاء و فقراء'' میں مختلف اقوال کو رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''معروف قول یہ ہے کہ تصوف کی نسبت ''صوف'' سے ہے''۔ ابن خلدون (م ۱۳۴۹ء) کا بھی یہی قیاس ہے، عربی میں تصوف کے معنی لباس پہننا کے ہیں، جس طرح ''تقمص'' یعنی قمیص پہننے کے ہیں۔ اس لئے ابتداء ہی سے صوفیاء کو ان کی ''صوف پوشی'' کی وجہ سے ''صوفی'' کہا جانے لگا۔

مغربی مفکرین نولڈ یکے (م ۱۹۳۰ء) اور نکلسن (۱۹۴۵ء) اس رائے کے حامی ہیں کہ صوفی، صوف سے نکلا ہے۔ ڈاکٹر قاسم غنی ایرانی اپنی کتاب ''تاریخ تصوف در اسلام'' میں جملہ تحقیق کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ لفظِ صوفی ''صوف'' ہی سے مشتق ہے اور حقیقت میں یہی قول صحیح ہے۔ تصوف بابِ تفعل کے وزن پر آتا ہے، اس لیے صوف پہننے کے فعل کو تصوف کہتے ہیں۔ کلمہ ''صوفی'' کا رواج پہلی صدی ہجری کے

اواخر میں ہو چکا تھا جیسا کہ ہم حضرت امیر معاویہؓ کے شعر کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں۔ بہر حال دین کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، کتاب الٰہی کا بھی ایک پہلو ظاہر ہے اور دوسرا پہلو باطن یعنی حکمت و معرفت۔ شریعت میں بھی ایک ظاہری پابندی ہے اور ایک اس کی روح ہے، غرضیکہ یہی حال آداب و رسومات، اخلاق و آداب کا بھی ہے۔ عبادت میں بھی ایک مرتبہ عبودیت کا ہے، لیکن واضح رہے کہ عبودیت خالص اور منزہ ہوتی ہوئی عشق کے درجے تک پہنچ جاتی ہے اور عشق اپنے کمال میں عاشق و معشوق کی دُوئی کو مٹا دیتا ہے، خدا معبود ہونے کی بجائے محبوب ہو جاتا ہے اور محب، محبوب کی صفات سے ہم آہنگ اور یک رنگ ہو کر ''وجہ اللہ'' کا ایک رخ بن جاتا ہے، شریعت پر اس انداز سے عمل پیرا ہونا کہ یہ بندے کو معرفت اور عشق تک پہنچادے اور ظاہر کو باطن سے وابستہ کردے اس کو ''طریقت'' کہتے ہیں۔ (۵)

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے جب مسلمانوں کی زندگی، اسلام اور تصوف پر غور و فکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیگر ادیان و اقوام میں جس طرح دین اور تصوف کے ساتھ کچھ مشرکانہ خیالات اور دنیا اور زندگی سے گریز کی تلقین شامل ہوگئی اسی طرح مسلمانوں کی زندگی اور ان کے نظریات کا بھی حشر ہوا۔ جس کے نتیجے میں کئی فضول جھگڑے اور بحثیں شروع ہوگئیں۔ جیسے ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولیٰ، ترکِ حرکت وغیرہ۔

بازیچۂ کفر و دیں بطفلان بسیار      بگذر ز خدا ہم کہ خدا حرفے ست

''لا الٰہ'' کی جگہ ''لا موجود الا اللہ'' کا کلمہ وضع ہو گیا، جس کے معنی یہ لیے گئے کہ اللہ کے وجود کے سوا باقی ہر شے کا وجود وہم اور باطل ہے۔ فریب، ادراک ہے، انسان کے لیے اپنے وجود کا احساس نہ صرف وہمی اور اعتباری ہے، بلکہ سراسر گناہ ہے انسانی وجود سے صرف گناہ ہی سرزد نہیں ہوتے بلکہ وجود کا احساس ہی سب سے بڑا گناہ ہے، ''وجودك ذنب'' ۔غیر اسلامی افکار نے بعض صوفیاء کے ذہنوں سے یہ خیال نکال دیا کہ دنیا خدا کی رحمت اور ربوبیت کا مظہر ہے اور زندگی کا مقصد اس ربوبیت اور رحمت سے عملاً لطف اندوز ہونا ہے، ہر جائز چیز کی خواہش محبتِ الٰہی ہی کا ایک کرشمہ ہے۔

تصوف کے بارے میں علامہ محمد اقبالؒ کا نقطۂ نظر بلکہ عقیدہ جاننے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ''فلسفۂ خودی'' پر سرسری نظر ڈال لی جائے کیونکہ قرآن، صاحبِ قرآن، صحابہ اور صلحا کے نزدیک قلب تجلیاتِ الٰہی کا مرکز اور تمام روحانی قوتوں کا نقطۂ ارتکاز ہے، علامہ محمد اقبالؒ نے بھی جا بجا اپنے شعروں اور نثر پاروں میں قلب یا دل کی بیداری اور بصارت پر بہت زور دیا ہے، یہ ایک اعتبار سے اس کے ''تصورِ خودی'' کے مترادف ہے۔

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی

عشق دمِ جبرئیل ، عشق دلِ مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور ، دل کا نور نہیں

علامہ محمد اقبالؒ کا قول ہے کہ ''تجربے کا مرکز یا دماغ یا خودی ہی اس دنیا میں تنہا ایک حقیقت ہے''۔ یہ خودی جسے علامہ محمد اقبالؒ ''واحد حقیقت'' قرار دیتے ہیں، محض ہیگل (Hegal) کا ''تصور'' اور بریڈلے (Bradely) کا ''تجربہ'' (حسّی ادراک) نہیں بلکہ پوری شخصیت ہے، شخصیت بھی وہ جو کشمکش یا مرقدی و بیداری کی حالت میں ہو''۔(۶)

گویا یہ خنجر کی دھار کی طرح متوازن صلاحیت ہے، جو مہیجات (Stimuli) کو پرکھتی اور پھر مناسب فیصلے کے بعد عمل پیرا ہوتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خودی کو خیال و عمل میں خود اقدامی (Initiative) کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسی صلاحیت ہے جسے وجدان (Intuition) سے موسوم کیا جاتا ہے، علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک یہ صلاحیت شعور کو ادراکِ حقیقت کا قریب ترین راستہ فراہم کر دیتی ہے، گویا یہ خودی کا مستنیر نقطہ ہے۔

لیکن خودی کی پشت پر ایک ایسی محرک طاقت کا ہونا ضروری ہے، جو اسے ارتقائے خودی کے جہاد کے ہولناک مراحل سے بہ سلامت گذار دے اور یہ طاقت علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک قوتِ عشق ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

وہ عشق کو دمِ جبرئیل، اور دلِ مصطفےٰ ﷺ قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب ''دلِ بیدار فاروقی'' اور ''دلِ بیدار کراری'' سے منسلک و مربوط ہے بلکہ وہ تو امت کی چارہ گری کے لیے دلِ زندہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے ، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ان کے نزدیک دل کی دنیا میں نہ افرنگی راج ہے اور نہ ہی اس میں شیخ و برہمن جاگزین ہیں۔ یہ خالصتاً مرکزِ تجلیاتِ الٰہی اور آئینہ عکسِ الٰہی ہے۔ اللہ ساری کائنات میں نہیں سما سکتا مگر مومن کے دل میں۔ اسی دل میں چودہ طبق موجود ہیں لہٰذا دل کا محرم ہی عرفانِ ذاتِ الٰہی سے مستفید ہو سکتا ہے، عشق دراصل اپنی فطرت میں خودی اور کائنات سے مماثل ہے اور میرے نزدیک ان دونوں کی جولانگاہ دل ہے۔۔۔۔۔۔ عشق یا مرکزِ عشق یعنی دل کی ایک جست سے یہ بیکراں زمین و آسمان طے ہو جاتے ہیں، خودی جو دل کی ہم طرح ہے اس میں بقولِ علامہ محمد اقبالؒ:

خودی کی خلوتوں میں کبریائی
خودی کی جلوتوں میں مصطفائی

اور آخری مصرعے میں فرماتے ہیں:

ع۔ خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بقول کانٹ (Kant) جب ہم خالص اساسِ فرض کے تحت کسی اخلاقی عمل کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس وقت ہم اس عالمِ مظاہر (World of phenomenon) سے بلند ہو کر عالمِ حقیقت کا ایک جزو بن جاتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ اضافہ کرتے ہیں کہ تکمیلِ خودی کے ذریعے عملِ خیر کی صلاحیت کی تربیت ضروری ہے، نیز یہ کہ وجدان کی صلاحیت عبادت سے بہت زیادہ تقویت حاصل کرتی ہے۔ لیکن وہ اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ عبادت مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ خودی کی نشوونما کا وسیلہ اور حصولِ عرفانِ ذاتِ الٰہی ہے۔ اقبالؒ کے ہاں کائنات کی بنیاد عشق پر ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''عشق میں گلشن میں بادِ بہار چلتی ہے اور وادیوں میں غنچوں کے ستارے چمکنے لگتے ہیں، آفتاب عشق کی شعاعیں سمندر میں اتر آتی ہیں اور اس کی تاریک گہرائیوں میں مچھلیوں کو دیدۂ بینا عطا کرتی ہے''۔

گویا عشق کی طاقت خودی کو تکمیل کی منزل کی طرف لے جاتی ہے، علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک آزادیٔ ارادہ کی آرزو دماغ میں پیدا ہوتی ہے اور چونکہ عشق، آرزو ہستی کی فطرت میں داخل ہے لہٰذا انسان کو تخلیقِ آرزو کی آزادی حاصل ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ بھی سقراط کی طرح انسانی فطرت کی بنیادی نیکی پر ایمان رکھتے ہیں، (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ)

ارتقائے خودی کی کوئی انتہا نہیں، یہ بحرِ بے کنار ہے اور اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے لافانی ہے،

اس کی فطرت زمانہ کی فطرت سے مشابہ ہے جسے برگساں (Bergson) زمانِ خالص (Pure Duration) کہتا ہے۔اپنے چوتھے لیکچر میں علامہ محمد اقبالؒ نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے، کہتے ہیں کہ خودی کا تقاضا ہے کہ خدا بن جائے لیکن وہ کبھی خدا نہیں بن سکتی اور اپنے 'مرکز' کی طرف مسلسل رواں دواں رہتی ہے، لیکن یہ مسلسل سفر کبھی مقصود کو نہ پا سکے گا، کیونکہ ذاتِ لایزال غیر منتہی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ خودی زمانۂ حال میں رہتے ہوئے اپنے ماضی کو ساتھ ساتھ لیے چلتی ہے اور اس کا ماضی لگا تار اس کے مستقبل کو حال کے خنجر سے تراشتا اور ہڑپ کر جاتا ہے"۔(۷)

علامہ محمد اقبالؒ، ابنِ عربی کی طرح "ہمہ اوست" یا "ہمہ در اوست" کا قائل نہیں اور نہ ہی "pantheism" (کثرتیت) کو مانتا ہے، تاہم اس کے نزدیک خودی کی کامل ترین صورت یہ ہے کہ خدا جو اپنی شانِ یکتائی میں سب سے اعلیٰ ہے، انسانی خودی یکتائی و انفرادیت کی منزلیں طے کر کے خدا سے قریب سے قریب تر ہو جاتی ہے، لیکن اپنے علیحدہ وجود کو برقرار رکھتی ہے۔اس طرح ہمہ اوست کی تمام صورتوں کی نفی کرتے ہیں۔

ابنِ عربی "عینیت" کی بات کرتے ہیں، صرف ایک ہی وجود موجود ہے۔البتہ وہ کائنات کو بھی خدا کی طرح قدیم اور حادث مانتے ہیں، اور یوں خدا اور کائنات ان کے ہاں ایک دوسرے کی "عین" ہیں۔اس سے دوئی کا تاثر پیدا ہوتا ہے، اگرچہ وہ کائنات کو خدا کی ذاتی صفتِ تکوین کا ظل قرار دیتے ہیں لیکن بقول شیخ احمد سرہندیؒ خدا کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی لاشریک ہیں، البتہ شیخ مجددؒ کے نزدیک اللہ کائنات کو عدمِ محض سے وجود میں لایا، (کن فیکون) وہ عدیم بھی ہے، اس کی جملہ صفات، صفاتِ ذاتی کے علاوہ صفاتی ہیں لہٰذا اپنی ان زائد از علی الذات، صفات کی بنیاد پر کائنات کو پیدا کیا۔اس سے ظلیت اور بروزیت کی نفی کے علاوہ اس کی صفتِ تخلیق کا کماحقہ اظہار ہوتا ہے، گویا کائنات اس کی ذات کی شاہد ہے، یہ نظریۂ شہودیت کہلاتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ، ابنِ عربی کے نظریے کے برعکس شیخ مجددؒ کے "وحدت الشہود" کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔وہ ابنِ عربی کی طرح فنا اور بقا کے قائل نہیں بلکہ جیسا کہ ہم نے ان کے فلسفۂ خودی کے ضمن میں بیان کیا، قطرے کی حیثیت قائم رکھ کر دریا کا نظارہ کرنے کے قائل ہیں۔عبدالمجید سالک نے "ذکرِ اقبال" میں ایک مجذوب فقیر کا ذکر کیا ہے جو علامہ کے پاس آیا۔گفتگو ہوئی، وہ فقیر فرطِ محبت میں کہنے لگا "واہ جی واہ! جیسا سنا تھا ویسا پایا' اقبال! اللہ تمہیں فنافی اللہ کا مقام عطا کرے"۔علامہ محمد اقبالؒ فرمانے لگے، نہ بابا جی نہ! میں قطرے کی حیثیت سے اپنا وجود قائم رکھتے ہوئے "دریا" کا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔عبدالمجید سالک

مرحوم نے علامہ محمد اقبالؒ کی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ سے ملاقات کا احوال بھی بیان کیا ہے۔ جب وہ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ سے ملے (عام مجلس میں) تو انہوں نے بربنائے کلین شیو، تھوڑا اعراض کیا، اس پر علامہ محمد اقبالؒ نے کہا ''حضرت گناہ سے نفرت ہونی چاہیے گناہگار سے نہیں''۔ مجلس میں سے کسی نے کہا حضرت! یہ اقبال...... تو اس پر حضرت شرقپوریؒ نے معانقہ فرمایا اور الوداع کہی۔ اسی طرح اشراقیوں کے ہاں جن کے سرخیل شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں، نے فرمایا ہے کہ وجود، وحدت، کثرت، وجوب وامکان لونیت (رنگ) وغیرہ اعتباری ہیں اور خارج میں ان کا وجود نہیں۔ مشائین اسے ''زائد علی الالوہیت'' کہتے ہیں۔ مابعد میں شیخ الاشراق (سہروردیؒ) کا نظریہ یہ ہے کہ تنہا عقل، ادراک کرنے کے قابل نہیں، جس چیز کو عقل محض نظری اعتبار سے سمجھ لیتی ہے اس کی اصلاح اور تصدیق کے لیے ایک حاسۂ باطنی کی نشوونما ضروری ہے، عقل کو ہمیشہ ''ذوق والہام'' جو اشیاء کے ادراک کا پُر اسرار جوہر ہے، سے مدد لینی چاہیے، یہی ذوق والہام مضطرب روح کو علم وسکون بخشتا ہے اور شکوک کو دائمی طور پر ختم کر دیتا ہے۔(۸)

اشراقی فلسفہ کے تجزیہ کے لیے فلسفۂ عجم ( Reality as Light -Al Ishraque- Return to Dualism.) میں علامہ محمد اقبالؒ لکھتے ہیں:

''کہ مجوسیوں کا تصور یہ تھا کہ نور اور ظلمت دو الگ اور ایک دوسرے سے متمیز حقیقتیں ہیں، اور ان کو دو الگ عوامل تخلیق کرتے ہیں ۔ قدیم ایرانی فلسفی زرتشتی مسلک کے پیروں کی طرح ثنویت (Dualism) کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک واحد حقیقت سے صرف ایک ہی صادر ہوسکتا ہے، اس لئے وہ نور وظلمت کو دو مستقل ماخذ مانتے ہیں۔ ان دونوں کا باہمی تناسب کسی تناقض پر مبنی نہیں بلکہ ان میں وجود اور عدم کا ربط ہے، یعنی نور کے اثبات میں ہی اس کی نفی پوشیدہ ہے، نور، ظلمت کو خود اپنے اثبات کے لیے منور کرتا ہے،''۔(۹) علامہ محمد اقبالؒ نے ''فلسفۂ عجم'' میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، انہوں نے یہ بحث ''شرح انواریہ'' سے لی ہے، تاہم وہ حیات وکائنات کے ارتقاء کے قائل ہیں اور یہ ارتقاء ایک نامکمل وجود سے مکمل وجود کی طرف ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے، دمادم صدائے کن فیکون

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک اس ارتقا کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ زندگی، حرکت اور حرارت لازم وملزوم ہیں، ثبات وسکون ایک افسانہ ہے۔

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

یہ وہی منزل ہے جس کا اشارہ علامہ محمد اقبالؒ کے یہاں ''ساقی نامہ'' کے آخر میں بھی ملتا ہے۔

مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس
اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اسی مضمون کو مولانا رومؒ نے جو علامہ محمد اقبالؒ کے مرشدِ روحانی ہیں، نے ان اشعار میں بیان کیا ہے۔

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی — آتشے یا خاک یا بادے بدی
گر بدان حالت ترا بادے بقا — کے رسدے مر ترا ایں ارتقا
از مبتدل ہستئ اول نماند — ہستئ بہتر بجائے آں نشاند

یہ وہی ہستی بہتر ہے جسے علامہ محمد اقبالؒ نے خوب تر پیکر کا نام دیا ہے:

بر جمادی کو کند دو در نبات — از درختِ بختِ او روید حیات
ہر نباتے کو بجان زو آورد — خضر وار از چشمۂ حیواں خورد
باز چوں جان رو سوئے جاناں نہد — رخت را در عمر بے پایاں نہد

الغرض علامہ محمد اقبالؒ جہدِ مسلسل اور حرکت وحرارت کی بات کرتے ہیں، وہ کائنات کے ارتقا کے قائل ہیں، اس لیے سعی پیہم پر یقین رکھتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک ترقیٔ ظاہری بھی ارتقاء کی ایک صورت ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ علامہ محمد اقبالؒ وحدت الوجود کے قائل نہ تھے، اس کی وجہ بالخصوص وہ یہ بتاتے ہیں کہ اس عقیدہ نے تمام مسلمانوں کو ذوقِ عمل سے محروم کر دیا اور یہی سبب ان کی حکمتِ افلاطونی پر تنقید کا ہے، جو نفی خودی اور نفی ذات کا سبق دیتی ہے، وہ مولانا رومؒ کے مرید ہیں جو فرماتے ہیں کہ ''صوفی توکل پر زور دیتا ہے لیکن توکل کا یہ مطلب نہیں کہ انسان جدوجہد ترک کر دے''۔ علامہ محمد اقبالؒ اس کی تائید میں کہتے ہیں:۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھنا اپنا
اور پھر اس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

علامہؒ کے نزدیک اس جہد مسلسل کی ایک منزل جہاد ہے ضرب کلیم میں ''جہاد'' کے عنوان سے ایک نظم کے دو چار اشعار نذرِ قارئین ہیں:

فتویٰ یہ شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں ؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر
تعلیم اس کو چاہئے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

ترکِ دنیا اور ترکِ جہاد کے بارے میں اپنے خیالات کا مزید اظہار ان اشعار میں ملاحظہ کیجئے:

اسی قرآن میں ہے ، اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ کوشش کرنا قضا کے خلاف جدوجہد کرنا نہیں، خود قضا نے اس جدوجہد کو انسان کے لیے مقدر کر دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی آتا ہے۔

'' لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی'' (انسان کوشش کے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتا)۔

قوموں کی تقدیر کے بارے میں آتا ہے:

'' اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ''

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا (ظفر علی خاں)

گویا علامہ محمد اقبالؒ "جبریہ" کے مقابلے میں "قدریہ" کے عقائد سے متفق ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو مختار بالدخل بنایا ہے، اگر وہ جبریہ کے خیال کے مطابق مجبور محض ہے پھر تو کائنات کا سارا نظام تلپٹ ہو جاتا اور قیامت میں جزا و سزا اور عدل و میزان بے معنی ہو کر رہ جاتے۔ انسان شتر بے مہار ہو جاتا۔ اپنے اس عقیدے کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ　　خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں
یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں　　ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں　　آیا جو زیرِ پَر تو یہی آسمان زمیں

علامہ محمد اقبالؒ "خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟" کے قائل ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ مزید فرماتے ہیں کہ افراد و اقوام کی تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے۔ فرد کی تقدیر تو بعض اوقات ہمارے لیے اچھی طرح قابل فہم نہیں ہوتی۔ کہیں کوئی اہلِ نظر ذلیل نظر آتا ہے اور نا اہل معزز و باوقار، کہیں دانا کو رزق سے محرومی ہوتی ہے اور نادان کو بغیر کوشش کے بہت کچھ مل جاتا ہے، کہیں خردمند محکوم ہے اور بے خرد حاکم، نا اہل صاحبِ اقتدار ہے اور جوہرِ ذاتی رکھنے والا ذلیل و خوار۔ یہ راز تو عقل پر نہیں کھلتا لیکن قوموں کی تاریخ اس حقیقت کو ضرور واضح کرتی ہے کہ قوموں کی تقدیر صریح طور پر ان کے اعمال کے ساتھ وابستہ ہے۔

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت　　ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں　　تقدیر نہیں تابع منطق نظر آتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو　　تاریخِ امم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی
ہر لحظہ ہے قوموں کے عمل پر نظر اس کی　　بُرّاں صفتِ تیغِ دو پیکر نظر اسکی (۹)

باطل کے خالی دفر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے، تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے، تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے در گذر

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک اسلامی تعلیمات کے مطابق محض "جوع الارض" کے لیے جنگ حرام ہے، صرف حق کی خاطر مسلمان پر تلوار اٹھانا فرض ہے اور یہ موت جو شہادت کہلاتی ہے، مسلمان کی میراث اور معراج ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

جہد کن تا میتوانی اے کیا در طریق انبیاء و اولیاء

اس حوالے سے علامہ محمد اقبالؒ کے بعض اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستا خیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز (۱۰)

امیر قافلۂ سخت کوش وپیہم کوش
کہ در قبیلۂ ما حیدری از کراری است (۱۱)

تا غزالی ذکر اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت (۱۲)

با مسلمان راه مده فرمان که جان بر کف بنه
یا درین فرسوده پیکر تازه جانے آفریں (۱۳)

جنگِ شاہانِ جہان غارت گری است
جنگِ مومن سنت پیغمبری است (۱۴)

بدرجۂ آخر علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں:

یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہبان نہیں، تو کچھ بھی نہیں

عبدالرشید طارق، جنہوں نے خواجہ حافظ شیرازی پر ایک مقالہ لکھا تھا، نے علامہ محمد اقبالؒ سے یہ سوال کیا کہ کیا حافظ صوفی تھے؟ علامہ نے جواب دیا ''نہیں وہ فی الحقیقت صوفی نہ تھے''۔

انہوں نے جامیؒ کی ''نفحات الانس'' کے حوالے سے بتایا کہ صوفیوں کی اصطلاحات اور زبان کے استعمال سے کوئی صوفی تھوڑا بن جاتا ہے، جس طرح ''Cowl'' پہننے سے کوئی پادری نہیں بن جاتا''۔ اس سلسلے میں انہوں نے حافظ کی شاعری، ان کی سہل انگاری، تن آسانی، حجرہ نشینی کی تعلیم اور جبر و قدر کے نظریہ کو تباہ کن قرار دیا ہے۔

میں ایسے فقر سے اے حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری (۱۵)

علامہ محمد اقبالؒ ''اناالحق'' کے معنی یہ نہیں لیتے کہ میں خدا ہوں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ ''انا'' ہی اصل چیز ہے، بندہ اگر خدا میں گم ہوگیا تو اس نے اپنی ہستی مٹا دی''۔ (۱۶)

علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفۂ خودی، تصور تقدیر، عجمی تصوف پر تنقید، وحدت الوجود اور حافظ کے تن بہ تقدیر فلسفے پر اعراض و اعتراض اور جہاد سے اغماض و گریز کرنے والے علماء و صوفیاء سے شدید اختلاف وغیرہ کے باوصف، حریتِ فکر و عمل کے حامل علماء و صوفیاء سے حد درجہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں، وہ عقل و خرد کے حوالے سے اگر رازی کو ناکام قرار دیتے ہیں تو حرکت اور جہد مسلسل کے حوالے سے رومی کے مداح ہی نہیں بلکہ اپنے تئیں ''مرید ہندی'' قرار دیتے ہیں، وہ ابنِ عربی کے مقابلے میں شیخ مجددؒ کی حد درجہ تکریم کرتے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخِ مجدّد کی لحد پر وہ لحد جو ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار

بلکہ اس شعر کی حامل پوری نظم میں شیخ مجددؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں، اسی طرح خواجہ نظام الدینؒ ''محبوب الٰہی'' کا بڑی عقیدت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے متعدد علماء و صلحا جن سے اقبال کو عقیدت و محبت تھی ان کا تفصیلی ذکر اعجاز قدوسی کی دو کتابوں ''اقبال کے محبوب علماء'' اور ''اقبال کے محبوب صوفیاء'' میں ملتا ہے، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مسعود عالم ندوی، مولانا انور شاہ کاشمیری، شبیر احمد عثمانی اور آخری دنوں میں مولانا مودودی کے ساتھ خاص تعلقات تھے۔

علامہ محمد اقبالؒ خود سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے، انہوں نے اپنے والد قبلہ نور محمدؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ اپنے والد کے روحانی کمالات و مناقب کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک خصوصی واقعہ کا ذکر مثنوی میں بھی کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

ہے نگاہِ خاوراں مسحور غرب (اقبالؔ) :

ظاہر نقرہ اگر اسپید است ونو — دست وجامہ می سیہ گردد ازو

''مکتب کے جوانِ گرم خوں'' اور ساحرِ افرنگ کا صیدِ زبوں'' کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

مرغ نارستہ چو برآں شود — طعمۂ ہر گربۂ دوراں شود

''آمیزشِ دین ووطن۔ جوہرجان بربدن مقدم'' کے جواب میں فرماتے ہیں:

قلب پہلو می زند با زر بشب — انتظارِ روز مــی دارد ذہب

''سرّ آدم۔ غایتِ آدم'' کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ — باطنش آمد محیطِ ہفت چرخ

آدمی دید است باقی پوست است — دید آن باشد کہ دیدِ دوست است

''سودائے سودِ مرداں در بازارِ وجود'' کے جواب میں فرماتے ہیں

زیرکی بفروش و حیرانی بجز — زیرکی ظن است و حیرانی نظر

''حدیثِ جبر وقدر'' کے ضمن میں فرماتے ہیں:

بال بازاں را سوئے سلطان برد — بال زاغاں را بگورستان برد

''غایتِ دینِ نبیؐ۔ خسروی ہے یا راہی'' کے جواب میں فرماتے ہیں:

مصلحت در دین ما جنگ وشکوہ — مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

''بیداریِ دل وغلبہ برآب وگل'' کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

بندہ باش و برزمین رو چوں سمند — چون جنازہ نے کہ بر گردن برند

''ادراکِ یقینِ قیامت'' کا جواب یوں دیتے ہیں:

پس قیامت شو قیامت را بہ بیں — دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

''خودی'' کے جواب میں یوں خیال آرائی فرماتے ہیں:

آن کہ ارزد صید را عشق است وبس — لیکن او کے گنجد اندر دامِ کس

''محکمیٔ حیاتِ ملت'' کے جواب میں ارشاد ہے:

دانہ باشی مرغکانت بر چنند — غنچہ باشی کودکانت بر کنند

دانہ پنہاں کن سراپا دام شو — غنچہ پنہاں کن گیاہِ بام شو

''تلاشِ دل۔ جستجوئے اہلِ دل'' کا جواب حاضر ہے

توہمی گوئی مرا دل نیز ہست | دل فراز عرش باشد نے بہ پست
تو دلے خود را دلے پنداشتی | جستجوئے اہل دل بگذاشتی

علامہ محمد اقبالؒ سوال کرتے ہیں:

کیوں مرے بس کا نہیں کارِ زمیں | ابلہٗ دنیا ہے کیوں دانائے دیں

رومیؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

آن کہ بر افلاک رفتارش بود | بر زمیں رفتن چہ دشوارش شود

''حصول علم سراغ حکمت و سوز و درد و داغ کا جواب یوں دیتے ہیں:

علم وحکمت زاید از نانِ حلال | عشق و رقت آید از نانِ حلال

انجمن یا خلوت۔۔۔۔مولانا رومیؒ جواب میں یوں نغمہ سرا ہیں:

خلوت از اغیار باید نے زیاد | پوستیں بہر دے آمد نے بہار

آخر میں ''تیرہ روزیٔ اہل دل در بند وفقدانِ نور وسوز'' کا حکیمانہ جواب یوں دیتے ہیں:

کار مرداں روشنی و گرمی است | کار دوناں حیلہ و بے شرمی است (۱۷)

محولا بالا اشعار کو پڑھنے کے بعد مولانا رومیؒ کے حوالے سے علامہ محمد اقبالؒ کی ان کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی اور رفاقت کا اندازہ ہوتا ہے، نیز فکرِ اقبال کے تمام گوشے نہ صرف مستنیر ہوتے ہیں بلکہ اقبالؒ کی تصوف اور مرشدِ روحانی کے بارے میں بالیدگی روح اور فروغِ دیدۂ بینا کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

# حوالہ جات


۱۔ مصارع العشاق، ص۲۲۴۔

۲۔ البیرونی، ابو ریحان، کتاب الہند بحوالہ الغزالی، بتوسط اسلامی تصوف اور اقبال از ابوسعید نورالدین، ص۲۷۷۔

۳۔ الہجویری، علی بن عثمان، کشف المحجوب، ص۲۳۔

۴۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر، یونانی اور اسلامی پس منظر، ص۸۷۔

۵۔ شاہد رزاقی، مقالاتِ حکیم جلد دوم مرتبہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، مقالہ ''اقبال اور تصوف'' ص۱۳۱۔

۶۔ عبدالرحمٰن، ''اقبال کا فلسفۂ خودی'' مترجم افتخار احمد از مقالاتِ حکیم جلد دوم۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ صدیقی، ابواللیث، ڈاکٹر، بحوالہ اقبال اور مسلک تصوف۔ ص۳۷۰۔

۹۔ بحوالہ اقبال ریویو کراچی جنوری ۱۹۶۶ء

۱۰۔ اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر، بال جبریل، ص۲۶۔

۱۱۔ ایضاً، ص۸۔

۱۲۔ اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر، جاوید نامہ، ص۱۵۸۔

۱۳۔ اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر، زبور عجم، ص۳۴۔

۱۴۔ اقبال، محمد، علامہ، ڈاکٹر، جاوید نامہ، ص۱۸۵۔

۱۵۔ ملفوظات، ۲۲۸۔۲۲۹۔

۱۶۔ بنام اکبر الہ آبادی ۱۱رجون ۱۹۸۰، اقبال نامہ دوئم، ص۵۶۔۵۷ و ملفوظات ۱۰۷۔۱۰۸ بتوسط ''اذکار اقبال'' از محمد حامد، ص۲۶۲۔۲۶۳۔

۱۷۔ اقبال اور مسلکِ تصوف، ص۴۹۳ تا ۴۹۷۔

# علامہ محمد اقبالؒ ایک کامل صوفی

☆سید محمد یوسف عرفان

سید سلیمان ندوی اپنے سفر افغانستان کے ضمن میں حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے باب میں لکھتے ہیں کہ:

''عجیب اتفاق ہے کہ راستہ تو یہ خطرناک درپیش تھا اور ڈاکٹر اقبال صاحب نے روحانیات کے ذاتی مشاہدات وتجارب اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کردی۔ گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ ہورہی تھی۔ اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگانِ سلاسل کا تذکرہ رہا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغازِ زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا۔ پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا کہ وہ خود ایک صاحب دل صوفی تھے اور دیندار علماء کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حیاتِ خفتہ کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود ان کے والد ماجد کی ذاتِ بابرکات تھی''۔(۱)

سلسلۂ تصوف میں مرشد کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اسے بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ کیونکہ سالک مرشد کی راہنمائی کے بغیر دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ بھی دوسرے صوفیاء کی طرح پیر طریقت کی اہمیت کے قائل تھے اور نہ صرف یہ کہ خود بھی ایک پیر اور مرشد سے بیعت تھے، دوسروں کے لیے بھی سچے پیر و مرشد کی تلاش پر اصرار کرتے تھے۔ حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۲ رمارچ ۱۹۱۷ء کو اپنے بیٹے آفتاب اقبال کو مرید کرانے کے متعلق اپنے ارادہ کا اظہار مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد کو ایک خط میں کیا:

''لڑکا (آفتاب اقبال) دہلی کالج میں پڑھتا ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے۔ آج کل میں اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں مرید کرادوں یا اس کی شادی کردوں کہ اس کے ناز میں نیاز پیدا ہوجائے''۔(۲)

---

☆لیکچرار شعبہ انگریزی، گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور۔

محققینِ اقبال اور علماء وصوفیاء کا یہ یقین ہے کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی شعری ونثری تعلیمات بزرگانِ دین اور صوفیائے صالحین کے فیضان کی مرہونِ منت ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ عالمی علم وادب کی شاید واحد شخصیت ہیں جن کے کلام نے کروڑوں مسلمانانِ ہند بلکہ امت مسلمہ کو غلامی، غفلت اور قعرِ مذلت سے نکال کر جرأت، ہمت، غیرت، حریت اور عملِ پیہم کا پیغام دیا جو بعدازاں ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا باعث بنا۔

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مینار پاکستان کے مقام پر قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد عالمگیری مسجد لاہور سے متصل مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے مزارِ پُر انوار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

> ''اگر آج اقبال زندہ ہوتے تو کتنے خوش ہوتے کہ ہم نے مسلمانانِ ہند کے لیے وہی کچھ کیا، جو وہ چاہتے تھے کہ ہم کریں۔ حضرت قائداعظم نے مزید فرمایا کہ ''اقبال میرے دوست، راہنما اور روحانی مرشد تھے''۔(۳)

مشرقی پاکستان کے چیف جسٹس جناب غلام مرشد (مرحوم) نے استادِ گرامی پروفیسر مرزا محمد منور کے استفسار کے جواب میں کہا تھا کہ حضرت قائداعظم کا جسم ناتواں اور دھان پان تھا مگر ان کے وجود میں کم از کم سات ولیوں کی قوت تھی۔ یہ حضرت قائداعظم ہی تھے جنھوں نے مسلمانانِ ہند کو حاکم وقت صلیبی انگریز اور اسلام دشمن اور مکار ہندو کی دائمی اکثریت کی غلامی سے نکال کر آزادی کے تخت پر براجمان کیا۔ اسلامی تعلیمات میں ایک غلاموں (خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو) کو آزاد کرنے کا بے حد اجر ہے تو کیا رسول اکرم ﷺ کے کروڑوں غلام، مسلمانوں کو آزادی دلانے والا، فیضانِ الٰہی اور محبوبِ الٰہی محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظرِ کرم سے محروم تھا۔؟(۴)

جسٹس غلام مرشد، شیرِ بنگال اے۔ کے۔ فضل الحق کے قریبی عزیز تھے۔ حضرت قائداعظم نے اے۔ کے۔ فضل الحق کو مسلم لیگ کے انتظامی امور کی خلاف ورزی کے قانون کے تحت مسلم لیگ سے نکال دیا تھا۔ بلکہ حضرت قائداعظم کا جملہ تھا۔Mr.A.K.Fazal-ul-Haq has met his waterloo۔ حضرت قائداعظم کا فرمان حرف بہ حرف درست ثابت ہوا اور اے۔ کے۔ فضل الحق مسلم لیگ سے نکالے جانے کے بعد اپنا سیاسی کردار کھو چکے تھے۔ یہی بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح تھے جنھوں نے شاعرِ مشرق حضرت علامہ محمد اقبالؒ کو اپنا دوست، سیاسی راہنما اور روحانی مرشد کہا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ابتداء ہی سے تصوف کے قریب رہے بلکہ آپ نے ایک صوفیانہ ماحول میں آنکھ کھولی۔ ''روزگارِ فقیر'' کے مصنف سید فقیر وحید الدین لکھتے ہیں کہ:

''اقبال کے والد نور محمد ایک صوفی بزرگ تھے۔ گو وہ زیادہ پڑھے لکھے تو نہیں تھے مگر مذہبی علوم سے شغف ضرور رکھتے تھے۔ علماء و صوفیاء کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس سے ان میں علم و عرفان کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ جہاں کہیں ذکر رسول ﷺ کی محفل سجتی، وہاں ضرور پہنچ جاتے تھے اور نہایت عقیدت و احترام سے اس میں شریک ہوتے تھے۔ یہی عشقِ رسول ﷺ اقبال کو اپنے والد سے ترکے میں ملا تھا۔ اگر کسی جگہ کسی بزرگ یا عالم دین کے آنے کی اطلاع ملتی تو نور محمد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان سے ملنے ضرور پہنچ جاتے تھے۔ ان کے وعظ و پند اور ارشادات سے فیض حاصل کرتے تھے۔ اسی بناء پر اقبال کے مشہور استاد شمس العلماء سید میر حسن، نور محمد کو ''ان پڑھ فلسفی'' کہتے تھے''۔ (۵)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۲۴ فروری ۱۹۱۶ء کو سید سلیمان شاہ پھلواری کو خط میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے والد کو ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' سے کمال شغف رہا ہے۔ چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنا شروع ہوئی۔ اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا، میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی۔ (۶)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے والدِ گرامی نور محمد، ایک صاحب کرامات ولی بھی تھے۔ حضرت علامہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے والدہ کی زبانی سنا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ والد کی موجودگی میں بے چراغ کمرے کے اندر تاریک رات میں عجیب و غریب قسم کا نور ظاہر ہوا اور تاریک کمرے میں ایسا معلوم ہوا کہ سورج نکل آیا ہے''۔ (۷)

فی الحقیقت حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے والد خدا رسیدہ صاحبِ حال اور کرامات کے حامل بزرگ تھے۔ آپ کے والد گرامی نور محمد کی ولایت اور کرامت کے کئی واقعات مختلف کتب میں منقول ہیں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے احباب اور محققین اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کو عشقِ رسول ﷺ کا جذبۂ صادق اپنے والد گرامی نور محمد سے وراثت میں ودیعت ہوا ہے اور ان کے علم و فن کے باعث یہ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اپنی لامحدود وسعتوں، پہنائیوں اور بلندیوں کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وہ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ تھا جس کو

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منسوب کیا ہے۔ اور اسی وصف یعنی حضرت ابوبکرؓ کی اپنے دوست رسولِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت، امامت اور صداقت کی بلا حجت تصدیق اور جانثاری نے انہیں ''امام الاصفیاء'' کا مقام عطا کیا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

عبداللہ قریشی اپنی مرتب کردہ کتاب بعنوان ''اقبال بنام شاد'' میں لکھتے ہیں کہ ''اقبال نے اپنی بصیرت سے چند پیش گوئیاں بھی کی ہیں، جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہیں۔ بعض مراقبات کا ذکر بھی ہے، جن کے نتائج حیرت انگیز ہیں''۔(۸)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ''ارمغانِ حجاز'' کی آخری نظم ''حضرتِ انسان'' میں فرماتے ہیں کہ:

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی
کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی
یہ دنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

رسول اکرم ﷺ کی دعا ہے کہ: ''اللھم ارنی حقیقة الاشیاء کما ھی''
''اے اللہ مجھے چیزوں کی حقیقت یعنی اصل دکھا، جیسا کہ وہ ہیں''۔

اسی طرح ایک اور موقع پر رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''اتقوا فراسة المؤمن، فانه ینظر بنور اللہ''
''صاحب ایمان کی فراست اور بصیرت سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے ''دلِ بیدار'' اپنے والدین بالخصوص اپنے صاحب دل صوفی باپ نور محمد سے وراثت اور تربیت سے پایا تھا۔ ڈاکٹر ابوسعید نورالدین رقم طراز ہیں کہ ''ان (علامہ محمد اقبالؒ) کی بیعت ان کے والد کے وسیلہ سے تھی۔ ان کے والد کے پاس ایک مجذوب صفت درویش آیا کرتے تھے، جن کا سلسلہ قادریہ تھا وہ انہی سے بیعت تھے''۔(۹)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ رسمی طور پر تو سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے جیسا کہ وہ خود ۱۲؍نومبر ۱۹۱۶ء کو سید سلیمان ندویؒ کے نام مکتوب میں بھی لکھتے ہیں کہ:

''یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے، جس میں خود بیعت ہوں''۔

مگر روحانی طور پر وہ عالم اسلام کے بہت بڑے صوفی شاعر مولانا جلال الدین رومیؒ کے مرید تھے۔ علامہ اقبالؒ اپنے کلام میں جابجا مولانا رومؒ کو اپنا مرشد تسلیم کرتے ہیں اور اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ مولانا رومؒ سے ان کو روحانی فیضان پہنچا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی تمام زندگی دین اسلام کی حیات بخش تعلیمات اور امتِ مسلمہ و مرحومہ کی بیداری اور احیاء کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ہندوستان میں حضرت علامہ محمد اقبالؒ، اکبر الہ آبادی کو اپنے مکتوب محررہ ۶؍اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اپنا مرشد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں آپ کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں جس نگاہ سے کوئی مرید اپنے پیر کو دیکھے اور وہی محبت وعقیدت اپنے دل میں رکھتا ہوں''۔

فی الحقیقت حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے عالم اسلام کے ہر اس صوفی، شاعر، ولی اللہ کی عزت کی اور اس سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا جس نے امتِ مسلمہ کے مجموعی مفاد اور مسلمانوں کی انفرادی حیات بخش تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے اولیاء اللہ کے مزارات کی نہ صرف زیارت کی ہے بلکہ جابجا ان کی مدح وثناء بھی کی ہے۔ آپ کے مدحیہ اشعار آپ کی صوفیاء اور اولیاء سے محبت وعقیدت کا اظہار ہیں۔ گو آپ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے مگر آپ نے باقی تین سلاسل کے اولیاء، صوفیاء اور مجذوبوں سے بھی قلبی رشتہ ورابطہ کا بارہا اظہار کیا ہے۔ آپ کے قلبی ''تار برقی'' مراقبات کی شکل میں حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویریؒ، پیر سنجر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، حضرت سید محمد میاں میر، بوعلی شاہ قلندر رحمہم اللہ اور کئی نامور اور غیر معروف اولیاء اللہ سے رہا ہے جو مختلف کتب اور مکاتیب کی شکل میں محفوظ ہے۔ تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپوریؒ سے قلبی تار برقی کی تفصیل ''اقبال بنام شاد'' میں مرقوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ:

ع۔ ''بُعد منزل نہ بود در سفر روحانی''

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۲۹؍جون ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کو تحریر کرتے ہیں کہ:

''آج شام کی گاڑی میں سرہند جا رہا ہوں۔ چند دن ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی، خواب میں کسی نے پیغام دیا کہ ہم نے جو جواب تمہارے اور شکیب ارسلان (دروزی رہنما، اتحاد اسلامی کے

سب سے بڑے داعی ) کے متعلق دیکھا ہے۔ وہ سرہند بھیج دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس خواب کی بناء پر وہاں کی حاضری ضروری ہے"۔

حضرت علامہؒ ۱۲ر ستمبر ۱۹۰۵ء کے خط میں مولوی انشاء اللہ خان کو لکھتے ہیں کہ :

"تھوڑی دیر کے لیے شیخ صاحب موصوف کے مکان پر قیام کیا۔ بعد ازاں حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مزار پر حاضر ہوا اور تمام دن وہیں بسر کیا"۔(۱۰)

۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ کشن پرشاد، شاد کو لکھتے ہیں:

"دیارِ پیرِ سنجرؒ کی زیارت ضرور کیجئے، میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا پر اڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔"(۱۱)

۲۵ر جولائی ۱۹۱۸ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں:

"اگر اب نہ جا سکا تو تعطیلات میں دہلی جانے کا قصد ہے کہ ایک مدت سے آستانہ حضرت محبوب الٰہیؒ پر حاضر ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ کیا عجب کہ ان گرما کی تعطیلات میں اللہ اس ارادے کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔(۱۲)

۲۹ر مارچ ۱۹۱۹ء کو مہاراجہ کشن پرشاد، شاد کو اطلاع دیتے ہیں کہ:

"دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا مگر افسوس کہ پیرِ سنجر (حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ) کے دربار پر حاضر نہ ہو سکا۔ خواجہ حسن نظامی نے بہت اچھی قوالی سنوائی"۔(۱۳)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے احوال اور مکاتیب سے یہ بات واضح ہے کہ آپ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور میاں میرؒ کے مزارات پر جایا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً لاہور کے باہر بھی اولیاء اللہ کے مزاروں اور درگاہوں پر حاضری دیا کرتے تھے، آپ کا "قلبی تار برقی" بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے ہر دور میں تیز گام رہا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ اپنے سفر و حضر کے حوالے سے استخارہ بھی فرماتے رہے ہیں۔ مثلاً مہاراجہ کشن پرشاد کو ہی ایک خط میں لکھتے ہیں:

"تین چار ماہ ہوئے کہ ارادۂ مصمم سفرِ حیدر آباد کر لیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی"۔(۱۴)

سحر خیزی کے حوالے سے حضرت علامہ محمد اقبالؒ لکھتے ہیں کہ:

"بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گذر جاتی ہے۔ سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی

دعا کروں گا کہ اس وقت عبادت الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے کیا عجب کہ دعا قبول ہو جائے"(۱۵)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۱۱را کتوبر ۱۹۲۱ء کے مکتوب میں مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد کو تاج الاولیاء مولانا تاج الدین ناگپوریؒ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"ناگپور میں ایک بزرگ مولانا تاج الدین نام کے ہیں۔ کیا سرکار نے کبھی ان کا نام سنا یا ان کی زیارت کی؟ حکیم اجمل خان صاحب دہلوی سے ان کی بڑی تعریف سنی ہے اور لاہور کے ایک اور دوست بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد ہے۔ دیکھئے کب لاہور کی زنجیروں سے خلاصی ملتی ہے۔ چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں بیشتر حصہ مجذوبانہ حالت میں رہتے ہیں مگر سنا ہے کہ رات دو بجے کے بعد سے صبح تک ان کے فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے ......... غرض کہ جن جن ذرائع سے معلوم ہوا، آدمی قابل زیارت ہے"۔(۱۶)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۲۷را کتوبر ۱۹۲۱ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد کو لکھتے ہیں کہ:

"نوازش نامہ مع سفرنامۂ ناگپور ملا۔ (سفرنامۂ ناگپور کا دوسرا نام "آنکھ والا، آنکھ والے کی تلاش میں" ہے) جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے اس چھوٹی سی کتاب کو بڑی مسرت سے پڑھا اور سرکار کی عقیدت سے دل کو ایک قسم کی روحانی بالیدگی حاصل ہوئی۔ میرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدید بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذوب ہیں مگر آج کل زمانہ بھی مجاذیب کا ہے۔"

۳رفروری ۱۹۲۲ء تک حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا مولانا تاج الدین ناگپوری سے "قلبی تار برقی" کا رشتہ اور رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ گو حضرت علامہ محمد اقبالؒ اپنے ارادے اور نیت کے باوجود ناگپور نہیں جا سکے اور زیارت سے محروم رہے مگر روحانی رابطہ اور رشتہ کا ذکر اکثر خطوط میں مرقوم ہے۔ حضرت علامہ محمد اقبال اپنے مسائل اور بعض احباب کے مسائل، حل کے لیے مولانا تاج الدین ناگپوری کے سپرد کر دیا کرتے تھے اور وہ مسائل عام طور پر حل بھی ہو جاتے تھے۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ اپنے مذکورہ بالا مکتوب بنام شاد مورخہ ۳رفروری ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں کہ:

"مولانا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا البتہ پیغام مراقبے کے ذریعے سے بھیجا ہے"۔

۲۲رفروری ۱۹۲۲ء کو حضرت علامہ محمد اقبال مزید لکھتے ہیں کہ:

''اگرچہ میرا ٹیلی فون (مراقبہ) خراب ہے اور اُدھر شانِ بے نیازی ہے تاہم جواب کی توقع ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جواب پہنچے گا اور کیا عجب کہ آپ تک پہلے پہنچے .............. اگر شاہ تاج الدین صاحب کا پیغام مجھ تک پہلے پہنچ گیا تو انشاءاللہ عرض کروں گا۔ ایک اور جگہ سے بھی ایسے پیغام کی توقع ہے''۔

۱۱راکتوبر ۱۹۲۲ء کو حضرت علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں کہ:

''خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا، اس کا جواب سرکار والا کی خدمت میں پہلے پہنچے گا۔ خبروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ جواب سرکار عالی تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن اقبال، حضور سے سننے کا مشتاق ہے..... تصدیق ہو جائے تو مزید عرض کروں گا''۔

۲۶راکتوبر ۱۹۲۲ء کو حضرت علامہ محمد اقبالؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''رات پھر ایک اور پیغام حضرت تاج الدینؒ کی خدمتِ بابرکت میں بھیجا گیا ہے۔''

۱۱رنومبر ۱۹۲۲ء کو حضرت علامہ محمد اقبالؒ مہاراجہ سرکشن پرشاد، شاد کو لکھتے ہیں کہ:

''بابا تاج الدینؒ کے پیغام سے میری مراد معشوق کامرانی کا خیال ہے۔ جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربارِ تاج میں تشریف لے جائیے''۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے مراقبات و مکاشفات کا عملی حال احوال تو بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے ساتھ حضرت علامہ کے ''قلبی تار برقی'' سے ہو جاتا ہے، مگر ان کے سوز و گداز اور رقت قلب کی مثال جو صوفیاء کرام اور عشق رسول ﷺ سے مخصوص ہے، اس کا اندازہ درج ذیل سطور سے لگایا جا سکتا ہے۔ سید سلیمان ندویؒ سیر افغانستان میں لکھتے ہیں کہ:۔

> ''حکیم و شاعر اقبال کو حکیم شاعر سنائی کا مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا۔ مہمان خانہ سے نکل کر پیادہ ہم سب حکیم موصوف کے مزار کی طرف چلے۔ حکیم سنائی کی جلالتِ شان سے کون واقف نہیں، سب اس منظر سے متاثر تھے۔ مگر ہم میں سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر اقبال پر تھا۔ وہ حکیم ممدوح کے سرہانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے۔ اور دیر تک زور زور سے روتے رہے۔ (۱۷)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی رقت قلب اور نسبتِ عشقِ رسول ﷺ کی مثال مولانا ابوالاعلیٰ مودودی یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورے کے لیے علامہ محمد اقبالؒ اور سر فضل حسین مرحوم اور ایک دو مشہور قانون دان اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جس وقت اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے گئے تو ہر طرف عیش و تنعم کا سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جس رسول پاک ﷺ کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے، انہوں نے بوریے پر سو کر زندگی گذار دی تھی۔ یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اس بستر پر لیٹنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا۔ اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اسی غسل خانے میں بچھوائی اور جب تک وہاں مقیم رہے، غسل خانے ہی میں سوتے رہے۔ یہ وفات سے کئی برس پہلے کا واقعہ ہے''۔ (۱۸)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے روحانی مقامات، احوال، سوز و گداز، سرور و مستی، جذب اور وجدان و سلوک کے سلسلے میں کئی واقعات مختلف کتابوں میں مرقوم ہیں۔ کتاب ''اقبال درون خانہ'' از صوفی نظیر بھی حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے روحانی معاملات پر خاصی روشنی ڈالتی ہے۔ ''اقبال کے پسندیدہ صوفیاء'' اس حوالے سے ایک طویل دستاویز ہے۔ البتہ فقیر سید وحید الدین اپنی کتاب ''روزگار فقیر'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''میرے والد فقیر نجم الدین ایک دن اقبالؒ کے یہاں پہنچے تو اقبالؒ بولے کہ آج کل حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں کوئی بہت روشن ضمیر بزرگ آئے ہوئے ہیں ان سے ملنے چلیں، میں ان سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب مسلمانوں سے خدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اقوامِ عالم میں سرفراز ہوں گے تو آج کل اتنے ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ اقبال کے تساہل کے باعث یہ ہوا کہ یہ دونوں نہ صبح کو وہاں پہنچ سکے نہ شام کو، آخر بات دوسری صبح کے لیے قرار پائی کہ کل چلیں گے۔ دوسرے دن فقیر نجم الدین اقبال کے یہاں ذرا دیر سے پہنچے، اس خیال سے کہ ان کے جلدی چلنے کی کوئی امید نہیں تھی لیکن یہ دیکھ کر انہیں سخت حیرت اور پریشانی ہوئی کہ اقبال کا رنگ زرد ہے اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور وہ شدید تفکر اور اضطراب میں مبتلا ہیں۔ نجم الدین نے پوچھا کہ خیر تو ہے تو اقبال بولے کہ:

''آج صبح میں یہیں بیٹھا تھا کہ علی بخش نے آ کے اطلاع دی کہ کوئی درویش صفت آدمی ملنا چاہتا

ہے میں نے کہا، بلالو۔ ایک درویش صورت اجنبی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ کچھ وقفے کے بعد میں نے کہا، فرمایئے آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے؟ اجنبی بولا۔ ہاں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے، میں تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں اور اس کے بعد مثنوی کا مشہور شعر پڑھا:

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کہ باداں کنند
تو ندانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

(رومیؒ نے کہا ہے کہ جس پرانی عمارت کو آباد کرتے ہیں، تو نہیں جانتا کہ پہلے اس بنیاد کو ویران کر دیتے ہیں)۔ کچھ پوچھیے نہیں کہ مجھ پر کیا گذر گئی، چند لمحوں کے لیے مجھے قطعی اپنے گردوپیش کا احساس جاتا رہا۔ ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو بزرگ سے مخاطب ہونے کے لیے دوبارہ نظر اٹھائی لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ علی بخش کو ہر طرف دوڑایا لیکن کہیں سراغ نہیں ملا'۔(۱۹)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا بزرگانِ دین، اولیاءاللہ اور صوفیاء رحمہم اللہ سے روحانی رابطہ اور رشتہ تادمِ مرگ رہا۔ بلکہ مذکورہ روحانی بزرگ سے ملاقات کے حوالے سے راقم کو عاشقِ اقبال اور استاد گرامی جناب پروفیسر مرزا محمد منور کا بیان کردہ ایک واقعہ یاد آ رہا ہے کیونکہ اس واقعہ کے کئی ثقہ راوی ہیں۔ یہی واقعہ بعدازاں راقم نے مولانا عبدالستار خان نیازی کی زبانی بھی سنا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے درج ذیل واقعہ مرکزیہ مجلس اقبال کی سالانہ تقریب بمقام الحمرا ہال نمبرا میں بیان کیا تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ تہجد کے وقت علی بخش نے حضرت علامہ محمد اقبالؒ کو بتایا کہ ایک خوش شکل، پُرنور چہرے والا نوجوان آپ سے ملنے کا خواہشمند ہے، میں نے اسے طلوعِ سحر تک انتظار کا کہا ہے مگر وہ نوجوان اصرار کر رہا ہے کہ ہم نے اقبال سے ابھی ملنا ہے، تم انہیں ہمارے آنے کی اطلاع کرو۔ علی بخش کے اس پیغام پر آپ خلافِ معمول اپنے سب کام چھوڑ کر اس نوجوان کے استقبال کے لیے باہر دروازے پر تشریف لے آئے اور اس کے پیچھے پیچھے نہایت مؤدبانہ چلتے ہوئے عزت و احترام کے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئے۔ علی بخش کے لیے آپ کا اس نوجوان کے پیچھے یوں مؤدبانہ چلنا حیران کن تھا کیونکہ علی بخش نے حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی خدمت میں ہر امیر، غریب، چھوٹے، بڑے، معروف و غیر معروف حتیٰ کہ جواہر لال نہرو کو بھی مؤدب پایا تھا۔ علی بخش کی حیرانی کی انتہا نہ تھی جب حضرت علامہ نے اس پُرنور نوجوان کو بڑے احترام کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھایا اور خود ان کے پاؤں کی جانب زمین پر بیٹھ گئے اور دونوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت علامہ نے علی بخش کو بلایا اور محترم نوجوان کے لیے تازہ لسی لانے کے لیے کہا۔ علی

بخش نے کہا کہ میں اس سوچ میں گم تھا کہ اس وقت لسی کی کون سی دکان کھلی ہوگی۔ علی بخش کو عجیب حیرت اور خوشی ہوئی کہ گھر سے باہر نکلتے ہی سامنے ایک شاندار دودھ دہی کی دکان کھلی ہے۔ علی بخش نے اس سے لسی لی اور پیسے ادا کرنے لگا تو دودھ دہی والے پُر نور نوجوان نے کہا کہ" پیسے رکھو اور لسی لے جاؤ، اقبال سے ہمارا حساب چلتا ہے"۔ اذانِ سحر کے وقت وہ نوجوان چلے گئے۔ علی بخش کے بقول کہ اس نے نوجوان موصوف کے پیچھے چلنا چاہا مگر وہ گھر سے نکلتے ہی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ گھر کے سامنے دودھ دہی کی دکان پر نظر ڈالی تو وہ بھی موجود نہیں تھی۔ حضرت علامہ سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن میرے چہرے کی حیرانی اور خاموش استفسار واضح تھا۔ چند دن بعد حضرت علامہ سے پوچھنے کی ہمت کر لی کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہ آپ نے ایک نوجوان کو اپنی جگہ پر بٹھا کر خود ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ جو نوجوان اندر تشریف لائے تھے وہ پیر سنجر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور جن نورانی نوجوان سے تم نے لسی لی تھی وہ حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ داتا گنج بخش تھے۔ حضرت علامہ محمد اقبال کی حضرت داتا گنج بخشؒ سے محبت وعقیدت کے حوالے سے سید عبداللہ قادری نے مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ اپنے مضمون بعنوان "اقبال بحضور سید ہجویر" میں مزید لکھا ہے کہ:

"آخری عمر میں تو حضرت علامہ محمد اقبالؒ فنا فی الگنج بخش ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دنوں میں ایک تو وہ کشف المحجوب کا بکثرت مطالعہ کرتے اور دوسرے ۱۹۳۶ء سے لے کر اس وقت تک جبکہ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے، ہر روز صبح کی نماز اپنے ایک عزیز ڈاکٹر نیاز احمد کی ہمراہی میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی درگاہ میں ادا کرتے اور معمول میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔ ہاں اگر وہ لاہور سے باہر گئے ہوں تو علیحدہ بات ہے۔ ڈاکٹر نیاز احمد (سابق ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، پنجاب یونیورسٹی) کی نواسی محترمہ شائلہ امین صاحبہ اپنے ایک مضمون میں علامہ محمد اقبالؒ کے روزانہ کے معمول میں حاضری درگاہ داتا گنج بخشؒ کا یوں تذکرہ کرتی ہیں۔" نانا مرحوم ایک بات جس کا وہ خاص طور پر ذکر کرتے تھے، وہ علامہ محمد اقبالؒ کی داتا گنج بخشؒ کے لیے عقیدت تھی۔ ایک بار جب علامہ محمد اقبال سے ملاقات کے لیے جاوید منزل گئے تو وہ "کشف المحجوب" کا مطالعہ کر رہے تھے، نانا کو دیکھتے ہی پُرنم آنکھوں سے بولے: دیکھو ڈاکٹر نیاز یہ کتاب نہیں گنجینۂ معنیٰ ہے، کیا خوبصورت پیغام کتنے سادہ لفظوں میں دیا گیا؟ مگر سمجھ میں نہیں آتی، مسلمان اس قدر بے حس کیوں ہو گیا ہے۔ واللہ! اگر ہم آج بھی داتا صاحبؒ کے تصوف کی گہرائی اور گیرائی سمجھ لیں تو اسلام کو سمجھنے میں دِقت نہیں رہ جاتی۔ (۲۰)

نانا مرحوم کہتے ہیں ۲۲ فروری ۱۹۳۶ء سے نومبر ۱۹۳۷ء تک یہ دستور رہا کہ میں صبح تین بجے کا

الارم لگا کر سوتا، تین بجے گاڑی لے کر سیدھا ''جاوید منزل'' پہنچتا، پہلے ہی ہارن پر حضرت علامہ محمد اقبالؒ تشریف لے آتے۔ ہم دونوں نماز فجر داتا صاحبؒ کی درگاہ میں ادا کرتے، علامہ محمد اقبالؒ قرآن کا نصف پارہ تلاوت فرماتے اور اجالا ہونے پر میں انہیں ان کی اقامت گاہ پر چھوڑ کر واپس آتا۔ اس معمول میں اندھیرے، سویرے، گرمی، سردی اور برسات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ نومبر ۱۹۳۷ء کے آغاز میں جوڑوں کے درد کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے، اس سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (۲۱)

سید اسرار بخاری اپنی تالیف ''حیاتِ مغفور'' کے ص ۶۲ تا ۶۴ میں لکھتے ہیں کہ سید مغفور القادری حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے حضور حضرت داتا گنج بخشؒ کی وساطت سے پہنچے تھے۔ سید صاحب کو حضرت علامہ محمد اقبالؒ سے ملاقات کا بہت شوق تھا اور سارا کلام اقبال بھی از بر تھا۔ ۱۹۳۶ء کے اواخر میں سید مغفور القادری داتا صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مراقبہ کیا اور دل میں غیبی تقاضا پیدا ہوا کہ ابھی حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی خدمت میں حاضری دیجیے۔ مغرب سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل سید صاحب ''جاوید منزل'' پہنچے جونہی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہوئے آپ نے دیکھا کہ حضرت علامہ برآمدے میں کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ سید صاحب نزدیک ہوئے اور سوچنے لگے کہ اُن سے کس طرح اپنا تعارف کراؤں۔ اتنے میں حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے خلاف معمول فرمایا:

''آیئے آیئے شاہ صاحب میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت علامہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ سید صاحب یہ معاملہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے کہ نہ میری جان، نہ پہچان، نہ پہلے سے وقت مقرر کیا ہے میرے انتظار کے کیا معنی! اندر پہنچے تو کمرے کی سادگی دیکھ کر سید صاحب متعجب ہوئے۔ بیٹھتے ہی حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرمانے لگے شاہ صاحب! کچھ سنایئے''۔ سید صاحب نے درج ذیل اشعار پڑھے:۔

سیّد و سرور محمدؐ نور جاں مہتر و بہتر شفیع مجرماں
مہترین و بہترین انبیاء !! جز محمدؐ نیست در ارض و سماء !!

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور وہ انتہائی کیف و جذب کی حالت میں تھے۔ اس کے بعد سید صاحب نے بچل سرمست فاروقیؒ کی ایک کافی کے چند مصرعے پڑھے تو حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا ضبط ٹوٹ گیا اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد سید صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت ذرا اس راز سے تو پردہ اٹھایئے کہ جان پہچان کے بغیر میرے انتظار اور تعارف میں کیا حکمت ہے؟
آپ نے فرمایا، شاہ جی بات کچھ نہیں گذشتہ رات مجھے خواب میں حضرت داتا گنج بخشؒ کی زیارت

نصیب ہوئی، انہوں نے آپ کی شکل دکھاتے ہوئے مجھے فرمایا کہ مغرب کے وقت سلسلہ قادریہ کے ایک درد مند درویش کو تمہارے پاس بھجوا رہا ہوں، اس کا خیال رکھنا، آپ کی ٹوپی (مخصوص قادری ٹوپی) میرے لئے خاص نشانی تھی، آپ جونہی کوٹھی میں داخل ہوئے، میں نے آپ کو پہچان لیا، میں تو صبح سے آپ کے انتظار میں تھا۔ اس کے بعد کچھ دیر وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں صوفیائے کرام کے مختلف سلاسل پر بات چل نکلی تو آپ نے فرمایا کہ سلسلہ قادریہ تمام سلاسل کا جامع سلسلہ ہے اور بالآخر یہی سلسلہ غالب آجاتا ہے، مجھے بھی اسی سلسلہ سے فیض ملا۔

فقیر وحید الدین نے اپنی کتاب میں جو دوسرا واقعہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں اقبال انارکلی کے دومنزلہ مکان میں رہتے تھے۔ ایک رات کو سوتے سوتے ان کی آنکھ کھل گئی اس وقت انہوں اپنی طبیعت میں شعر گوئی کی کیفیت محسوس کی۔ فقیر وحید الدین لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب مکان کی دوسری منزل پر استراحت فرماتے تھے، پاس نہ کاغذ تھا، نہ پنسل۔ چپ چاپ اٹھے، لالٹین ہاتھ میں اٹھائی اور سیڑھیوں سے قدرے تیزی کے ساتھ اتر کر نچلی منزل میں پہنچے۔ لالٹین ایک طرف رکھ دی۔ کاغذ اور قلم سنبھالا اور جس قدر اشعار اس وقت موزوں ہوتے گئے، انہیں قلم بند کرتے گئے۔ یہاں تک کہ نزولِ شعر کی یہ کیفیت اختتام کو پہنچی۔ انہوں نے بالائی منزل پر جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک سفید ریش، طویل قامت اور درویش صفت بزرگ نظر آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے حیرت واستعجاب کے انداز میں دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ درویش نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے جلدی جلدی کہا: پانچ سو آدمی پیدا کرو، پانچ سو آدمی پیدا کرو۔ یہ کہتے ہوئے وہ بازار کی جانب کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھتے گئے حالانکہ اس طرف کوئی راستہ نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے لالٹین اٹھائی اور زینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں گھپ اندھیرا تھا کہا، چلیے میں آپ کو راستہ دکھاؤں اور نیچے لے چلوں لیکن اس بزرگ نے ڈاکٹر صاحب کی اس پیش کش کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنا وہی فقرہ اسی جوش اور تاکید کے ساتھ دہراتے ہوئے نظر سے اوجھل ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب زینے کی طرف سے سیڑھیاں طے کر کے بازار میں آئے اور دور تک دیکھا مگر بزرگ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ جیسے وہ ڈاکٹر صاحب سے اپنے اس جملے کو کہنے کے لیے ہی تشریف لائے تھے۔ اور وہ جملہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ اس اثناء میں ڈاکٹر صاحب کو رات میں گشت کرنے والا کانسٹیبل نظر آیا۔ اس سے دریافت کیا کہ تم نے اس وضع قطع، چال ڈھال اور حلیہ کا کوئی آدمی تو نہیں دیکھا۔ کانسٹیبل نے نفی میں جواب دیا۔ ڈاکٹر صاحب مایوس ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور پھر بستر پر سو گئے۔ صبح کو جب بیدار ہوئے تو رات کا واقعہ ذہن میں بالکل تازہ تھا مگر پھر خیال آیا کہ شاید انہوں نے خواب دیکھا ہے۔ لیکن

جب نچلی منزل میں آ کررات کے لکھے ہوئے اشعار موجود پائے اور قریب ہی لالٹین رکھنے کا نشان بھی ابھرا ہوا تھا تو ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ وہ خواب تھا یا بیداری تھی بہرحال جو حالت بھی تھی، اس کا ایک حصہ حقیقت بن چکا تھا"۔

اس واقعہ کے بعد جب اقبال موسمِ گرما کی تعطیلات میں سیالکوٹ گئے تو انہوں نے اپنے والد سے اس کا ذکر کیا اور پوچھا کہ پانچ سو آدمی تیار کرنے سے اس درویش کی کیا مراد تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی منشاء کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتا البتہ یہ کہتا ہوں کہ اگر پانچ سو آدمی تیار نہیں کر سکتے تو پانچ سو آدمی تیار کرنے والی پانچ سو اشعار کی کتاب ہی لکھ دو۔ چنانچہ اقبال نے اپنی مشہور مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"، جس میں پانچ سو سے زیادہ اشعار ہیں، لکھی۔ (۲۲)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کشف کے ضمن میں خود ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کو اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"یہ مثنوی جس کا نام "اسرارِ خودی" ہے ایک مقصد سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے۔ بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے......... یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے، اُگے گا، ضرور اُگے گا اور علی الرغم مخالف بارآور ہوگا۔ مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے" (۲۳)

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی پوری سوانح حیات مختلف روحانی واقعات، مکاشفات، مشاہدات اور تجربات سے بھری پڑی ہے۔ آپ اسلامی تصوف کی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے علمی و فکری، روحانی اور عملی طور پر تصوف کی نئی راہیں، نئے مقاصد اور نئی جہات متعین کی ہیں۔ آپ شخصی، قومی و ملی اور روحانی زندگی میں "Trend Setter" یعنی نیا رخ، انداز اور لباس متعین کرنے والے ہیں۔ قرآن کی رو سے تزکیۂ نفس دل کی صفائی اور تطہیرِ قلب کا نام ہے۔ جس کا دل فنافی اللہ ہے، وہی اللہ کی مخلوق اور اس کی بہترین امت کا مثالی اور بہترین فرد بن کر امت مسلمہ بلکہ تمام مخلوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔

سید عبدالقادر "بانگِ درا" کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "اقبال ابھی سکول میں پڑھتے تھے کہ کلام موزوں ان کی زبان سے نکلنے لگا"۔ (۲۴)

شعرائے اردو میں ان دنوں نواب مرزا خاں داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا اور نظام دکن کے استاد ہونے سے ان کی شہرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی ابتدائی غزلیں داغ دہلوی کو اصلاح کے لیے بھیجیں۔ ان غزلوں کا عمومی رنگ، ڈھنگ اور انداز بیان "داغی" ہے، بقول سید عبدالقادر اس ابتدائی غزل گوئی میں وہ باتیں تو موجود نہ تھیں جن سے بعدازاں کلام اقبال نے شہرت پائی۔ داغ دہلوی کی طرز

شاعری کے حوالے سے حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے ان کی وفات پر شعر کہتے ہوئے کہا تھا:

مصرع: آگ تھی کافور پیری میں جوانی کی نہاں

حضرت علامہ محمد اقبالؒ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ انگلستان جانے سے قبل تک آپ داغ کے رنگ میں غزل کہتے رہے اور یہ غزلیں خالص دنیوی محبوب کے حسن و جمال، لب و رخسار اور اردوئے معلیٰ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ انگلستان میں قیام کے دوران آپ ایک ''روحانی تجربہ'' سے گذرے جس کا ذکر آپ نے اپنے لفظوں میں کئی جگہ کیا ہے اور سید عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء، مدیر ''مخزن'' نے بانگ درا کے دیباچے میں بھی کیا۔ سید عبدالقادر لکھتے ہیں:

''۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جو یورپ میں بسر کیا۔ گو یورپ میں انہیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملا مگر اس دور کی نظموں میں ایک خاص رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اس زمانے میں دو بڑے تغیرات ان کے خیالات میں آئے۔ ایک تغیر، ترکِ شاعری کا تھا کہ شاعری میں صرف ہونے والے وقت کو کسی مفید مصرف میں لگایا جائے۔ کیونکہ اس وقت حضرت علامہ ''داغی'' غزلیں کہہ رہے تھے جو اعلیٰ و ارفع اور قومی و ملی مقاصد سے عاری تھیں اور وہ متروکہ غزلیں ''باقیاتِ اقبال'' میں شامل ہیں۔ ترکِ شاعری کا خیال پروفیسر آرنلڈ اور سید عبدالقادر کے باہمی مشاورت سے تبدیل ہوگیا۔ دوسرا تغیر، فلسفہ و تصوف کے حوالے سے کتب بینی کا تھا۔ بہتر فلسفہ و تصوف کے دقیق خیالات اور روحانی تجربات و مشاہدات کے عمیق احساسات کو شعری سانچوں میں ڈھالنے کے لیے فارسی زبان کو شاعری کا ذریعہ بنایا۔ کیونکہ اردو کی نسبت فارسی میں کئی فقرے اور جملے سیدھے سادے اور محاوراتی سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں، جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنا آسان نہیں ہے۔ پروفیسر مرزا محمد منور کہتے ہیں کہ حضرت علامہ محمد اقبالؒ اردو، فارسی کے واحد شاعر ہیں جو فارسی و عربی کی بھاری بھرکم بوجھل اور چٹیل پہاڑ جیسی تراکیب کو نگینوں کی طرح شعری نغمگی میں ڈھالتے ہیں۔ جہاں تک شعری پیغام اور مقصد کا تعلق ہے تو انقلاب ایران کے رہنما اور صدر ایران علامہ خامنہ ای نے استاد گرامی پروفیسر مرزا محمد منور کی موجودگی میں اقبال سیمینار منعقدہ تہران میں صدارتی خطبہ میں کہا کہ انقلابِ ایران کو علمی و فکری بنیاد کسی فارسی گو ایرانی شاعر نے بہم نہیں پہنچائی کیونکہ تمام فارسی شاعری میں جرأت، حکمت، غیرت اور بسالت کی وہ حوصلہ افزا روایت نہیں ملتی جو کلامِ اقبال میں موجود ہے۔ حضرت علامہ محمد اقبال نے اپنے مذکورہ بالا دو تغیرات کا خود بھی ذکر کیا ہے:

''۱۹۰۵ء میں، میں جب انگلستان آیا تھا تو میں محسوس کر چکا تھا کہ مشرقی ادبیات اپنی ظاہری

دلفریبیوں اور دلکشیوں کے باوجود اس روح سے خالی ہے جو انسانوں کے لیے امید، ہمت اور جرأتِ عمل کا پیغام ہوتی ہے اور جسے زندگی کے جوش اور ولولے سے تعبیر کرنا چاہیے۔ یہاں پہنچ کر یورپی ادبیات پر نظر ڈالی تو وہ اگرچہ ہمت افروز نظر آئیں لیکن ان کے مقابلے کے لیے سائنس کھڑی تھی۔ جو ان کو افسردہ بنا رہی تھی۔ اور ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے واپس گیا تو میرے نزدیک یورپی ادبیات کی حیثیت بھی تقریباً وہی تھی۔ جو مشرقی ادبیات کی تھی۔ ان حالات سے میرے دل میں کشمکش شروع ہوئی کہ ان ادبیات کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنا چاہیے اور ان میں روح پیدا کرنے کے لیے کوئی نیا سرمایۂ حیات فراہم کرنا چاہیے۔ میں اپنے وطن گیا تو یہ کشمکش میرے دل میں جاری تھی اور میں اس میں اس درجہ منہمک تھا کہ دو تین سال تک میرے عزیز دوستوں کو بھی علم نہ تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ ۱۹۱۰ء میں میری اندرونی کشمکش کا ایک حد تک خاتمہ ہوا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے خیالات ظاہر کر دینا چاہیے لیکن اندیشہ تھا کہ ان سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی بہر حال ۱۹۱۰ء، میں، میں نے اپنے خیالات کو مدنظر رکھ کر اپنی مثنوی اسرار خودی لکھنا شروع کر دی"۔ (۲۵)

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت علامہ محمد اقبال نے جامعہ کیمبرج میں ۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء میں اپنے اعزاز میں منعقد کی گئی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میں نے آج سے پچیس برس بیشتر اس (یورپی) تہذیب کی یہ خرابیاں دیکھی تھیں تو اس کے انجام کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں۔ میری زبان پر وہ پیش گوئیاں جاری ہو گئیں اگرچہ میں خود بھی ان کا مطلب نہ سمجھتا تھا۔ یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے اس سے چھ، سات سال بعد یعنی ۱۹۱۴ء میں میری یہ پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو گئیں۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ دراصل یورپ کی اس غلطی کا نتیجہ تھی جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں یعنی مذہب وحکومت کی علیحدگی اور دہریانہ مادیت کا ظہور مذہب وحکومت کی علیحدگی کا ایک طبعی نتیجہ ہے"۔

مارچ ۱۹۰۷ء وہ سال ہے جس میں حضرت علامہ محمد اقبال" ایک روحانی تجربہ سے گزرے اور چند پیش گوئیاں کیں جو اشعار کی شکل میں آپ کی زبان پر وارد ہوئیں۔ اس نظم میں آپ نے چار پہلوؤں پر روشنی ڈالی جو ان کی علمی وفکری، فنی اور روحانی زندگی کا محور رہیں۔ اول، آپ نے اس نظم میں یورپی تہذیب وتمدن کے بودے پن اور مادہ پرستانہ بربادی کا ذکر کیا ہے۔ دوم، اسی نظم میں آپ نے احیائے اسلام کی نوید دی ہے، سوم، احیائے اسلام کی علمی وفکری، دینی وروحانی اساس کا ذکر کیا ہے، چہارم، آپ نے احیائے اسلام کی راہ میں موجود تاریکی کو دور کرنے کے لیے اپنے مصمم ارادے اور استقامت کا ذکر کیا اور کہا کہ میں اور میرے شعر اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں کلیدی کردار ادا کریں گے۔ نظم درج ذیل ہے:

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا، پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا
دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زر کم عیار ہو گا!
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا
سفینۂ برگ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا !!
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہوگا!!
خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا
میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو !!
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہو گا

فی الحقیقت حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانے سے پہلے دہلی میں حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ پر حاضری دی تھی اور دعا کی تھی کہ:

نظر ہے ابر کرم پر درختِ صحرا ہوں　　کیا خدا نے نہ محتاجِ باغباں مجھ کو
مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے !!　　کہ سمجھے منزلِ مقصود، کارواں مجھ کو !

حضرت علامہ محمد اقبالؒ یورپ، ایک عام نوجوان کی حیثیت سے گئے تھے جو داغ دہلوی کے تتبع میں شعر کہہ رہا تھا۔ مگر مذکورہ بالا دعا کی قبولیت اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی توجہ نے انہیں قیام یورپ میں وہ کچھ دکھایا جو عام آدمی دیکھنے سے محروم تھا۔ صاحب کشف المحجوب کی زبان میں کہ دل کے دبیز پردوں سے زنگ اتر گیا اور حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی توجہ سے ان کے نومسلم مرید اور کتاب ''نظامی بنسری'' کے مصنف ایاز کی طرح ارض وسما کی وہ تجلیات دیکھیں جو ہر لحہ حیرت اور استعجاب کا باعث ہیں۔ اب حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے لیے وقت ایک غیر منقطع، لامتناہی تسلسل کا نام تھا جس میں ماضی،

حال اور مستقبل کی حد بندی پابندی اور بندش نہیں ہے اور آپ نے اپنی مذکورہ بالا روحانی بصیرت سے یورپ میں مستقبل قریب اور بعید میں ہونے والے واقعات کا ظہور جو عالمی تبدیلیوں کا پیش خیمہ تھا، دیکھا اور اپنے ان منفرد روحانی معاملات اور مشاہدات کو خوبصورت شعری سانچوں میں ڈھلی ڈھلائی، ''مصفیٰ آمد'' میں بیان کیا اور جو کچھ خود دیکھا وہ شعر وفن کی زبان کے ذریعے اوروں کو بھی دکھانے کی سعی کی۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں !!
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

جو کچھ یورپی تہذیب کے حوالے سے حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے ۱۹۰۵ء میں کہا، وہی کچھ بعد ازاں ٹی۔ایس۔ ایلیٹ اپنی معرکہ آرا تحریر ''Waste Land'' اور اسی قبیل کے دیگر یورپی ادباء و شعراء کی تحریریں مثلاً ''Decline of the West'' اور دو عالمی جنگوں کے درمیان لکھے جانے والے ''Pink literature'' میں نمایاں طور پر موجود ہے۔

فلسفہ اور تصوف میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کے کئی موضوعات مثلاً وجود باری تعالیٰ، وحدۃ الوجود، جبر واختیار، حقیقتِ روح، مشترک ہیں بلکہ تصوف (Theosophy) فلسفہ الٰہیات کی حیثیت سے فلسفہ ہی کی ایک شاخ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے فارسی کی صوفیانہ شاعری کے سلسلے میں تصوف کے فروغ کا ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ بیشتر صوفیاء تصوف کی جانب مائل ہونے سے پہلے فلسفہ داں تھے جیسے مولانا رومؒ اور محی الدین ابن عربی نے باقاعدہ فلسفہ کی تعلیم پائی تھی اور اس میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ فلسفے اور تصوف کے قریبی تعلق پر خود اقبال کا صریح بیان بھی موجود ہے۔ وہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو ایک خط میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں کہ:

''میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا تھا۔ کیونکہ فلسفۂ یورپ بحیثیت مجموعی وحدۃ الوجود کی طرف رخ کرتا ہے مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔''

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے وحدۃ الوجود کو ناپسند کیا ہے اور اسے غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ آپ ۱۰ر جولائی ۱۹۱۶ء کو سید فصیح الدین کاظمی الہ آبادی کو لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک تصوف وجودی، مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں بلکہ مذہب اسلام کے خلاف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔''

آپ تاریخ تصوف پر ایک مبسوط مضمون لکھنا چاہتے تھے جس کا اظہار انہوں نے ۲۷؍جنوری اور ۴؍فروری ۱۹۱۶ء کے خطوط بنام اکبرالہ آبادی میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے:

''میں تصوف کی تاریخ پر ایک مبسوط مضمون لکھ رہا ہوں جو ممکن ہے ایک کتاب بن جائے۔ خواجہ حسن نظامی نے عام طور پر اخباروں میں میری نسبت یہ مشہور کر دیا ہے کہ میں صوفیائے کرام سے بدظن ہوں۔ اس لیے مجھے اپنی پوزیشن صاف اور واضح کرنا ضروری ہے ورنہ اس طویل مضمون کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ میں نے خواجہ حافظ پر اعتراض کیا ہے، اس واسطے ان کا خیال ہے کہ میں تحریکِ تصوف کو اس دنیا سے مٹا دینا چاہتا ہوں''۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ تاریخ تصوف میں علامہ ابن جوزی کے تصوف کے بارے میں خیالات کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے ۹؍مارچ ۱۹۱۶ء کو شاہ سلیمان پھلواری کو خط میں لکھا:

''حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلۂ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے تصوف کو کرامت سے دیکھا ہے۔ بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیئے ہیں۔ جو شخص غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے، وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ کہ مخالف''۔

جس طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے تصوف کو ''وجودی اور شہودی'' اصطلاحات کے ذریعے اسلام اور تصوف کے متضاد پہلوؤں میں تطبیق کی کوشش کی تھی اسی طرح علامہ محمد اقبالؒ نے تصوف میں اسلامی اور غیر اسلامی تقسیم کر کے خالص اسلامی اور ذاتی تصوف کی توضیح و تشریح کی ہے۔ آپ ۲۴؍جون ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ کشن پرشاد، شاد کو لکھتے ہیں:

''علمائے اسلام ابتداء سے آج تک تصوف وجودیہ کے مخالف رہے ہیں۔ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ ہندوؤں میں کشن، کی گیتا اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی۔ اسلامی تصوف کا دارومدار کسستن پر ہے۔ تصوف وجودیہ کا پیوستن یا فنا پر۔ اگر میں نے کسستن کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی۔ میرا ذاتی میلان پیوستن کی طرف ہے۔ مگر وقت کا تقاضا اور ہے۔ اور میں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کے لکھنے پر مجبور تھا۔ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے۔ اس کی پرواہ نہیں، میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے''۔

۱۱؍جون ۱۹۱۸ء کو اکبرالہ آبادی کے نام ایک خط میں تصوف کی ان دونوں اقسام کی خصوصیات یوں بیان کرتے ہیں:

''عجمی تصوف سے لٹریچر میں دلفریبی اور حسن و چمک پیدا ہوتا ہے مگر ایسا کہ طبائع کو پست کرنے والا

ہے اسلامی تصوف دل میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس قوت کا اثر لٹریچر پر ہوتا ہے"۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اسلام کا عندیہ یہ ہے کہ حقیقت کا مشاہدہ مردانہ وار کیا جائے۔ ایک شاعر نے اس حقیقت پر اس شعر میں روشنی ڈالی ہے:

موسیٰ ز ہوش رفت بیك جلوۂ صفات!
تو عین ذات مـی نگری در تبسمی!!

یہی اسلامی آئیڈیل ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال میں یہی معراج ہے کہ مشاہدۂ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم رہے لیکن تمرد اور سرکشی کے لیے نہیں بلکہ خدمت وعبدیت کے لیے مسلم کو کسی چیز میں فنا نہیں ہونا چاہیے گو یہ فنا فی اللہ کیوں نہ ہو۔"

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا فلسفۂ خودی اسی "گسستن"، یعنی تو عین ذات می نگری در تبسمی" کی تشریح وتوضیح ہے۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے جہاں انفرادی خودی کے تحفظ کا درس دیا ہے وہاں قومی وملی خودی یعنی غیرت، حریت، ہمت اور جرأت کا پیغام بھی دیا ہے اور یہی وہ درس تھا جو برصغیر میں ایک آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا پیش خیمہ بنا۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے ۱۹۳۰ء کے خطبۂ الہ آباد اور بعد ازاں بعض خطوط میں برملا کہا ہے کہ شمالی ہند کے مسلمان باشندوں کے ذمے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لگانے والا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ ان کے شعر اس الوہی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں ممد ومعاون ہوں۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے جہاں عالمی اور بالخصوص اسلامی دنیا کے احوال بیان کئے ہیں وہاں اپنی روحانی چشم تصور سے آئندہ ہونے والے عالمی واقعات کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ جس میں سے "مشتے از خروارے" کے طور پر چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے طلوع اسلام (بانگ درا) میں کہا ہے کہ

بمشتاقاں حدیث خواجۂ بدر و حنین آور
تصرف ہائے پنہانش بچشمم آشکار آمد

اسی طرح حضرت علامہ نے برصغیر کے مسلمانوں کو یہ نوید سنائی کہ حضور اکرم ﷺ کی نظر کرم اس خطہ کے مسلمانوں کی حالت زار پر ہے۔ اور یہ مسلمانانِ ہند جلد غیر ملکی تسلط سے نجات پائیں گے اور آزادی سے بہرہ ور ہوں گے اور ان کی آزادی اسلامی نشاۃ ثانیہ کی خشتِ اول ہوگی۔

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید برون

کاروان زیں وادئ دور و دراز آید بروں

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے جہاں یورپی تہذیب کے زوال کی پیشگوئی کی تھی وہاں روس کے ملحدانہ اشترا کی نظام کے انہدام کا ذکر بھی اپنے خطوط میں کیا ہے کہ روسی اشترا کی نظام غیر فطری ہے۔لہذا خود روسی عوام میں بھی رسوخ نہیں پا سکے گا۔حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے فطرت کے مقاصد کے حصول کے لیے صحرائی اور پہاڑی افراد کی اہمیت بیان کی ہے کہ:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی

یا بندۂ صحرائی یا بندۂ کوہستانی!

حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے کلید ایشیا یعنی ایشیا کی آزادی کیلئے پاکستان اور افغان پہاڑی باشندوں اور صحرائے عرب کے فکر ونظر اور بود باش کو اہم قرار دیا ہے۔نیز آپ نے حرم سے دور از خلوت دشت حجاز یعنی خطۂ ہند کو احیائے اسلام کا مرکز تصور کیا ہے۔حضرت علامہ محمد اقبالؒ کی مسلمانان ہند کے حوالے سے یہ پیشگوئی بھی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی اور ہندوستان میں ایک علیحدہ اسلامی نظریاتی ریاست وجود میں آئی جس کا بنیادی مقصد نظام اسلام کی بحالی تھا۔نیز یہی وہ ریاست ہے جس نے اسلام کے رکن رکین جہاد کو از سرِ نو زندہ کیا اور عالم اسلام کو جہاد کے ذریعے عملی اتحاد کا باعث بنایا۔حضرت علامہ محمد اقبالؒ نے تصوف کی جو راہ متعین کی ہے وہ فنافی اللہ کی نہیں ہے۔بقول حضرت علامہ محمد اقبالؒ:

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول

لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول!!

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کا مقصود روحانی سرشاری اور مستی میں غرق ہونا نہیں ہے بلکہ روحانی مستی میں مسرور رہ کر عالم انسانیت کی روحانی بلندی اور بالیدگی کی تبلیغ اور ترویج کرنا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن

# حوالہ جات


۱۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، سیر افغانستان، ص ۱۷۸ تا ۱۸۰، بحوالہ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۵۲۔

۲۔ مکاتیب اقبال، حصہ دوم، ص ۱۰۳، بحوالہ علامہ محمد اقبالؒ اور تصوف، ص ۲۳۔

۳۔ مطلوب الحسن، سید، پاکستان ناگزیر تھا۔

۴۔ مذکورہ بالا واقعہ راقم نے اپنے استادِ گرامی پروفیسر مرزا محمد منور کی زبان سے سن رکھا ہے۔

۵۔ وحید الدین، روزگارِ فقیر، ص ۱۹۵۔۲۰۲۔

۶۔ بخاری، سہیل، ڈاکٹر، روحِ مکاتیب اقبال، ص ۱۹۳، بحوالہ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۴۶۔

۷۔ نور الدین، ابو سعید، ڈاکٹر، آثارِ اقبال، ص ۱۸، بحوالہ اسلامی تصوف اور اقبال، ص ۱۹۶۔

۸۔ محمد عبداللہ قریشی، اقبال بنام شاد، ص ۶۰

۹۔ نور الدین، ابو سعید، ڈاکٹر، اسلامی تصوف اور اقبال، ص ۲۳۴۔

۱۰۔ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۶۵، بحوالہ روحِ مکاتیب اقبال، ص ۷۶۔

۱۱۔ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۶۵، بحوالہ مکاتیب اقبال، ص ۱۵۹۔

۱۲۔ بحوالہ اکبر اور اقبال، ص ۷۹۔

۱۳۔ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۶۶، بحوالہ روحِ مکاتیب اقبال، ص ۲۲۵۔

۱۴۔ اقبال بنام شاد، ص ۱۹۸۔ ۱۵۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۵۷، ۲۵۸۔ ۱۷۔ اقبال اور سید سلیمان ندوی، ص ۱۰۹۔

۱۸۔ نقوش، لاہور، اقبال نمبر، ص ۶۷۔ ۱۹۔ روزگارِ فقیر، ص ۳۲۔

۲۰۔ سید عبداللہ قادری، مجلّہ "معارف اولیاء" جلد ۱، اپریل ۲۰۰۳ء ناشر مرکز معارف اولیاء، دربار حضرت داتا گنج بخشؒ، محکمہ اوقاف، پنجاب، ص ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹۔

۲۱۔ روزنامہ نوائے وقت (اقبال نمبر) مضمون شاملہ امین (نواسی ڈاکٹر نیاز احمد) ۲۱ اپریل ۱۹۸۲ء۔

۲۲۔ اقبال ایک صوفی، ص ۱۵۲، ۱۵۵۔

۲۳۔ روحِ مکاتیب اقبال، ص ۱۴۷، بحوالہ اقبال ایک صوفی شاعر، ص ۱۵۵۔

۲۴۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، مطبوعہ اقبال اکادمی، پاکستان، ص ۲۱، ۳۵۔

۲۵۔ محمد رفیق افضل، گفتارِ اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور، ص ۲۴۵، ۲۵۰۔

# فکرِ اقبالؒ پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اثرات

☆ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

تزکیۂ نفس کے ذریعہ "مقامِ احسان" کو پالینا ہی تصوف ہے۔ یہ کسی فن یا مضمون کا نام نہیں بلکہ وارداتِ قلبی ہیں۔ اس پر اعتراض اور نکتہ چینیاں ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ خالصتاً عملی چیز کو صرف علمی رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ورنہ تزکیۂ نفس تو نبی رحمت ﷺ کی تلاوتِ آیات اور تعلیمِ کتاب وحکمت کا منتہا ومقصود ہے۔ تصوف، سنتِ مطہرہ کے مطابق سیرت وکردار ہی کا دوسرا نام ہے جسے شیخ بیعت وصحبت سے سرانجام دیتا ہے۔ گویا تاریخِ اسلام میں اگرچہ "تصوف" کا لفظ بعد میں آیا لیکن اس کی روح اور اساس ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ علم، عمل اور اخلاص جس کسی شخص میں درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو وہ مقامِ احسان پر فائز ہو جاتا ہے اور اسے "صوفی" کہہ دیا جاتا ہے۔

دنیائے اسلام کے نامور شاعر ڈاکٹر محمد اقبالؒ (م ۱۹۳۷ء) کا شمار بھی ایسی ہی شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے تصوف کو نہ صرف جانا اور سمجھا بلکہ اپنے گھر سے سیکھا۔ وہ تصوف کی روح کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ حسن نظامی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"قرآن شریف میں جس قدر آیات صریحاً تصوف کے متعلق ہوں ان کا پتا دیجئے۔" (۱)

اکبرالٰہ آبادی کو انہوں نے لکھا تھا کہ میں تصوف کی تاریخ پر ایک مفصل دیباچہ لکھوں گا۔ (۲)

اسی طرح آپ نے اسلامی تصوف پر ایک لیکچر بھی دیا۔ (۳) خواجہ حسن نظامی کو لکھا کہ:

"میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہوگیا۔ (۴)

تصوف کے بارے میں یہ چیزیں صرف علم کی حد تک نہ تھیں بلکہ خود سلسلۂ عالیہ قادریہ (۵) میں بیعت بھی

---

☆ لیکچرار شعبہ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی لاہور۔

تھے،اس کا اظہار شاہ سلیمان پھلواری کے نام ایک مکتوب میں یوں کیا:

''حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیوں کر مخالف ہوسکتا ہوں کہ خود سلسلۂ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں''۔(۶)

تصوف پر ان کے گہرے مطالعہ کا اندازہ اسی مکتوب کے اس جملہ سے لگایا جاسکتا ہے۔''میں نے تصوف کا لٹریچر کرّات سے دیکھا ہے''۔(۷) ایک مقام پر تصوف کی اوّلین کتاب کے حوالہ سے ''کتاب الفجر''(۸) کا ذکر کیا ہے۔تزکیہ کی اہمیت کا اندازہ علامہ محمد اقبالؒ کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے:''

علم کی دو قسمیں ہیں ایک ہمارے اکتسابی معلومات کا ذخیرہ ؛ہم خود مخلوق الٰہی ہیں اور ہمارے اکتسابی آلات علمیہ ہماری مخلوق ہے۔پس ایسے علم کو علمِ الٰہی سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔دوسرا وہ علم ہے جو خواص کو عطا ہوتا ہے وہ بے منت کسب،قلب وروح کے اعماق سے ابلتا ہے''میں نے عرض کیا،اس علم کی کلید کیا ہے؟فرمایا:ارشاد خداوندی ہے'' قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ''(جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا اس پر علم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں)۔میں نے کہا تزکیۂ نفس کا طریق کیا ہے؟اس پر آپ نے صوفیہ کے بعض مشاغل کی طرف اشارہ کیا۔(۹) دوسری طرف اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے جادۂ شریعت سے ہٹے ہوئے تصوف کو ناپسند کیا ہے۔جو تصوف راہبانیت کا درس دے وہ ان کے نزدیک غیر محمود ہے۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے الفاظ میں بعض لوگوں کی رائے ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ تصوف کے مخالفین میں سے تھے ایسے لوگوں کا ردّ کرتے ہوئے ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> ''بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ علامہ اقبال تصوف اور صوفیوں کے خلاف تھے۔ بیشک علامہ اقبال ان بعض خیالات سے متفق نہ تھے جو بعض صوفیہ سے منسوب ہیں لیکن وہ صوفیانہ تجربے اور وارداتِ روحانی کے منکر نہ تھے بلکہ وہ تصوف جو اسلامی ہے اور جس کا مآخذ قرآن حکیم،احادیث نبوی،صحابہ کرام،تابعین اور تبع تابعین کی پاک زندگی اور اکابر صوفیہ کی تعلیمات ہیں وہ ان کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ ایسے صوفیہ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت ابوالحسن علی الہجویری داتا گنج بخش اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اور بعض دوسرے نام شامل ہیں''۔(۱۰)

علامہ محمد اقبالؒ کے نظریۂ تصوف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یکسر تصوف کے مخالف

نہیں تھے بلکہ وہ ایسے تصوف کے خلاف تھے جو بے عملی اور راہبانہ زندگی کی دعوت دے۔(۱۱) تصوف میں عجمیت کی آمیزش نے بھی آپ کی طبع پر ناگوار اثر چھوڑا۔ وہ تصوف میں اس آمیزش کو سخت ناپسند کرتے تھے، وجہ ظاہر ہے کہ تزکیۂ نفس جو کارِ نبوت ہے، اس میں تربیت، منہاج علی النبوۃ ہی پر ہو تو صراطِ مستقیم ہے ورنہ وہ بے ہنگم پگڈنڈیوں کی مانند ہے جہاں ہر وقت راستہ گم ہونے اور دشمن کے حملہ کا خطرہ رہتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔

''خواجہ نقشبندؒ (م ۷۹۱ھ) اور مجدد سرہندؒ (م ۱۰۳۴ھ) کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگین ہے یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں، میں خود بیعت رکھتا ہوں۔''(۱۲)

تاریخ اسلام میں ہزاروں صوفیہ میں سے علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے کلام میں صرف ان شخصیات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تاریخ کے مختلف نازک ادوار میں نئی تاریخ رقم کر کے امت کی قیادت وسیادت کا فریضہ انجام دیا اور امت کی ناؤ کو طوفانوں سے بچا کر کنارے لگایا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ملقب بہ مجدد الف ثانی (۱۳) کا شمار ان کبار صوفیہ میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر میں اسلامی فکر کو اکبری یلغار سے بچا کر مسلمانوں پر احسانِ عظیم کیا۔ علامہ اقبالؒ کے ذہن میں وہ مخصوص حالات بھی تھے جن میں حضرت شیخ سرہندیؒ نے اپنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ آپ سے عقیدت اور محبت کی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے اپنے آٹھ خطوط، دو ملفوظات، دو مضامین، تین واقعات، تقریر کے دو نثری پیراگراف میں ایک جگہ لفظاً اور دوسری جگہ معناً آپ کا ذکر کیا ہے۔(۱۴) اس عقیدت ومحبت کے اظہار کے لئے آپ نے سرہند شریف، حضرت شیخؒ کے مزار اقدس پر حاضری بھی دی۔ حاضری کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ محمد اقبالؒ ۲۹ رجون ۱۹۳۴ء کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی، خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا: ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔ پیغام دینے والا معلوم نہیں ہو سکا کون ہے، اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو گا تو اسے حضرتؒ کے مزار پر

لے جاؤں گا، وہ بھی ساتھ جائے گا تا کہ یہ عہد بھی پورا ہو جائے۔ چوہدری محمد حسین، منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔ اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے"۔(۱۵)

اس خواب پر تبصرہ کرتے ہوئے سید نذیر نیازی لکھتے ہیں: "۲۹رجون کی شام کو حضرت علامہ حسب قرارداد سرہند تشریف لے گئے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دی اور ۳۰رجون کی شام کو لاہور واپس آ گئے۔ رہا خواب کا معاملہ، سو حضرت علامہ "واردات باطن کے قائل تھے (ملاحظہ ہوں خطبات) پھر ان واردات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس طرح مستقبل کے متعلق ذہن میں آسودگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی تعبیر کے لیے البتہ ذوقِ حقیقت شرط ہے۔ ہم اپنے عقلی اور دنیوی معیارات کی بنا پر ان کی صحت وعدم صحت کی طرح اس امر کا فیصلہ بھی تو نہیں کر سکتے کہ اس قسم کی واردات کی صحیح تعبیر کیا ہوگی۔

"اس کے علاوہ جب جاوید پیدا ہوا تھا"، یہ دوسری وجہ تھی جس کی بنا پر علامہ اقبالؒ نے سرہند کا عزم کیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے انہیں جو عقیدت تھی اس کا تقاضا بھی یہ تھا کہ وہ اپنے کمسن بیٹے کے ساتھ مزار پر حاضری دیں تا کہ از روئے تعلیم و تربیت وہ سب اثرات جن سے ایک اسلامی ذہن تیار ہوتا ہے، ہمیشہ کے لیے دل میں نقش ہو جائیں۔(۱۶)

جاوید اقبال (۱۷) جو سفر سرہند میں اپنے والد کے ہمراہ تھے اور ان کی پیدائش کی دعاء بھی علامہ اقبالؒ نے مزار شیخ پر پہلی حاضری میں مانگی تھی۔(۱۸) وہ حاضری کا انداز بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"آپ کی دعا پوری ہوئی اور کچھ عرصے کے بعد جب میں نے ہوش سنبھالا تو مجھے اپنے ہمراہ لے کر دوبارہ سرہند پہنچے۔ ابا جان نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور پھر انہوں نے قرآن مجید کا ایک پارہ منگوایا اور دیر تک پڑھتے رہے۔ اس وقت ہم دو ہی تربت کے قریب بیٹھے تھے۔ گنبد کی تاریک اور خاموش فضا میں ان کی گونجتی ہوئی آواز ایک ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آنسو ان کی آنکھوں سے امڈ کر رخساروں پر ڈھلک آئے ہیں"۔(۱۹)

مزار پر مراقبے کی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد عبداللہ قریشی نے لکھا ہے:

"مراقبے کی حالت میں اقبال نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا؟ یہ ایک روحانی سرگزشت ہے، جو بیان نہیں کی جاسکتی۔"(۲۰)

جاوید کو مزار پر لے جانے کا مقصد ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے ملفوظات پر تعلیقات میں یوں بیان کیا ہے:

"ظاہر ہے جاوید کو مزار پر لے جا کر حاضری دینے اور دلانے سے علامہ کا مقصد یہی

ہوسکتا ہے کہ اس فرزند عزیز کو روحِ اسلام، وجدان اور طریقت کے ماحول سے شروع
سے آشنا کرایا جائے۔"(۲۱)

یہی وہ جذبات محبت ہیں جن کی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے حضرت شیخ سرہندؒ کے افکار سے گہرا اثر قبول کیا۔ اقبالؒ پر حضرت مجددؒ کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں:

''قریب قریب ہر دور میں مسلمان، ہندوستانی طباع وذہین راہنما سید احمد خاں، اقبال
اور ابوالکلام آزاد اگرچہ سیاسی اور مذہبی مسائل کے حل تلاش کرنے میں ایک دوسرے
سے مختلف تھے لیکن شیخ احمد سرہندیؒ سے بھی متاثر تھے''۔(۲۲)

علامہ محمد اقبالؒ پر حضرت شیخ کے اَن مٹ اور گہرے نقوش کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اقبالؒ کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ''ظل'' اور ''بروز'' بھی کہا گیا ہے۔(۲۳) اقبالؒ بھی شیخ سرہندؒ کو ایک عظیم رہنما سمجھتے تھے، اسی بنا پر آپ کے افکار کا اثر بھی قبول کیا۔ میاں بشیر احمد، علامہ محمد اقبالؒ سے اپنی ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب وہ اپنی میکلوڈ روڈ والی کوٹھی جاوید منزل میں آچکے تھے میں کبھی کبھی حاضر ہوتا
اور بالِ جبریل کے بعض اشعار کا مفہوم دریافت کرتا۔ ایک روز میں نے پوچھا کہ
ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے؟

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی!

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ
تھا، ڈاکٹر صاحب پھر وہی رسم قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں کیا؟ جواب دیا کہ نہیں! یہ شیخ
احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانان ہند کے سب سے
زبردست رہنما گزرے ہیں''۔(۲۴)

علامہ محمد اقبالؒ پر مجددی فکر کے اثرات کا اندازہ اس سے ہی لگایئے کہ وہ تصوف کی اس تعبیر وتشریح کے قائل ہیں جو حضرت شیخ نے کی۔ گویا تصوف کے بارہ میں اقبال کے افکار کا خاکہ مکتوباتِ امام ربانیؒ سے تیار ہوا، اگرچہ اس خاکہ میں رنگ، اقبالؒ نے دوسرے اکابرین سے بھرا۔ ۲۸ رجون ۱۹۱۶ء میں اقبال کا ایک مضمون ''علم ظاہر وعلم باطن'' اخبار ''وکیل'' میں شائع ہوا، ابتدا ان کلمات سے کی:

''حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعارِ حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے۔ اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ راقم الحروف اس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے اور اس پر اعتراض کرنے کو بدبختی اور خسران کا مترادف سمجھتا ہے۔'' (۲۵)

اس گہری عقیدت کے پیچھے درحقیقت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شریعت اسلامیہ پر گہری نظر اور مقاصد شریعہ سے واقفیت ہے۔ اقبال نے پلٹنا، جھپٹنا اور جھپٹ کر پلٹنا جیسے تصورات اور قوم کو عمل کی رغبت دلانے کی فکر، حضرت شیخؒ ہی سے لی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی یہ رائے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

''غلو فی الزہد'' اور ''وحدۃ الوجود'' کے علاوہ اقبالؒ نے ''مسئلۂ بروز'' کو بھی عجمی ایجاد کہا ہے۔ ایک خط میں وہ لکھتے ہیں: جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ مسئلہ (بروز) عجمی مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اس کی آرین ہے۔ یعنی یہ تمام تعلیمات بے عملی سکھاتی ہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے متبعین سے اقبال کو صرف اس لیے محبت ہے کہ وہ جوش اور ولولہ سکھاتے ہیں اور عمل و عزم کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے متعلق بالِ جبریل میں انہوں نے کہا ہے کہ:

حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو — آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار!
آئی یہ صدا ، سلسلۂ فقر ہوا بند — ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار!
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں — پیدا کلۂ فقر سے ہو طرۂ دستار!
باقی کلۂ فقر سے تھا ولولۂ حق — طروں نے چڑھایا نشۂ ''خدمتِ سرکار!''

حضرت مجددؒ کے متبعین میں بیدل بھی تھے۔ اُن کے متعلق علامہ محمد اقبالؒ لکھتے ہیں:

''بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے۔ یہاں تک کہ اس کا معشوق بھی صاحب خرام ہے۔ اس کے برعکس غالب کو زیادہ تر اطمینان و سکون سے الفت ہے۔ نقشبندی سلسلے سے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد یہی ہے۔ نقشبندی مسلک، حرکت اور روحانیت پر مبنی ہے''۔ (۲۶)

وہ زندگی کے تمام شعبوں میں حرکت کے قائل ہیں جمود کسی بھی شعبہ میں ہو، موت ہے حرکت کے تصور کی مزید وضاحت ملفوظات میں ان الفاظ سے موجود ہے:

''نقشبندی سلسلے اور حضرت مجدد الف ثانی ؒ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد بھی یہی ہے۔ نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت (Dynamic and Optimistic) پر مبنی ہے۔ مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون (Passimistic and Static) کی جھلک نظر آتی ہے اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقۂ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے۔ مگر ہندوستان سے باہر افغانستان بخارا، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔ دراصل زندگی کے جس جس شعبے میں تقلید کا عنصر نمایاں ہے، اس میں حرکت مفقود ہوتی جاتی ہے۔ تصوف تقلید پر مبنی ہے۔ سیاسیات، فلسفہ اور شاعری یہ بھی تقلید پر مبنی ہیں لیکن نقشبندی سلسلے کے شعراء مثلاً ناصر علی سرہندی کو دیکھئے۔ ناصر علی کی شاعری تقلیدی نہیں ہے، اسی لئے حرکت والی قوموں میں وہ زیادہ ہر دلعزیز ہے''۔ (۲۷)

علامہ محمد اقبالؒ کے اس ارشاد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں مجدّدی فکر ہوگی وہیں حرکت کا تصور آئے گا، وہ حیات انسانی کے مختلف گوشے ہوں یا ادب۔ گویا اقبال کی فکر اور ادبی شہ پاروں میں یاس وقنوطیت کی بجائے حرکت اور عملِ پیہم کا تصور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اثرات کی وجہ سے ہے۔

برصغیر پاک وہند میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس علمی متانت اور اپنے کشف کی بناء پر وحدت الوجود کے تصور کا رد کیا، اس کی نظیر کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ لیکن مجال ہے کہیں محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) (۲۸) کے بارہ میں کوئی لفظ ایسا کہا جو ان کی جلالتِ شان کے منافی ہو۔ حضرت شیخ سرہندیؒ نے ان کی عظمت کا اعتراف بھی کیا اور نظریہ سے اختلاف بھی۔ (۲۹) اسی مسئلہ میں بالکل ایسا ہی مؤقف حضرت اقبال کے ہاں پایا جاتا ہے۔ اقبالؒ کا تصورِ خودی درحقیقت افکارِ مجدّدی کا ہی پرتو ہے۔

اعجاز الحق قدوسی نے خوب کہا:

''حضرت علامہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے اس قدر متاثر ہیں کہ وہ ان کے نظریہ ''ہمہ از اوست'' کے قائل ہیں علامہ کے نظریۂ خودی کا ماخذ حضرت مجدّد الف ثانی کا نظریہ ''ہمہ از اوست'' ہی ہے۔ حضرت مجدّد سالک کی آخری منزل مقام عبدیت کو قرار دیتے ہیں جہاں سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندۂ محض ہے۔ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے''۔ (۳۰)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''اقبالؒ، صوفیہ کے وحدتِ وجود کے مسلک کے خلاف تھے اور حضرت

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ وحدتِ شہود کو تسلیم کرتے تھے اوران کے خیال میں اعلیٰ ترین مقام عبدیت کا تھا۔ وحدت کی ضد علامہ کے نزدیک کثرت نہیں شرک ہے، علامہ حالت صحو کو حالت سکر پر ترجیح دیتے تھے''۔ (۳۱)

ایک طرح یہ اس وحدت الوجود کا رد تھا جسے علامہ محمد اقبالؒ تصوف کا غیر اسلامی عنصر سمجھتے تھے اور جو مسلمانوں میں غیر اسلامی مآخذ سے داخل ہوا تھا اور جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر نفی خودی کے فلسفہ کو مسلمانوں میں فروغ ہوا اور ان کی قوتِ عمل مفلوج ہو کر رہ گئی۔ (۳۲)

وحدتِ وجود کو علامہ محمد اقبالؒ بدھ مذہب کے اثرات کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ (۳۳) اسی طرح سید نذیر نیازی نے بھی وضاحت کی ہے کہ اقبالؒ کبھی بھی وجودی نہ رہے۔ (۳۴)

حضرت مجددؒ کے اثرات کے جائزہ میں علامہ محمد اقبالؒ کے یہ الفاظ بھی نہایت کارآمد ہیں جو انہوں نے خواجہ حسن نظامی کو لکھے:

''حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن اچھا ہے یا پیوستن۔ میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف، میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گذشتہ علمائے اسلام نے ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے ''سرالوصال'' کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے ''سرالفراق'' کہا جائے اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے''۔ (۳۵)

درج بالا اشارات سے درج ذیل نکات واضح طور پر سامنے آتے ہیں:

۱۔ مرشد رومؒ کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ فکری حوالہ سے علامہ محمد اقبالؒ پر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے بڑے گہرے اثرات ہیں۔

۲۔ اسی بناء پر علامہ محمد اقبالؒ تصوف کی اس تعبیر کے قائل تھے جو حضرت مجددؒ نے پیش کی، اس کی بنیاد قرآن، سنت، اقوال وافعال صحابہؓ اور سلف صالحین کے افکار پر تھی۔

۳۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ تصوف کی روشنی میں علامہ محمد اقبالؒ ترک دنیا اور رہبانیت کے مخالف تھے، وہ زندگی کے ''حرکی'' تصور کے قائل تھے۔

۴۔ علامہ محمد اقبالؒ نے مکتوباتِ امام ربانیؒ کا گہرا مطالعہ کیا جس کے نتیجہ میں وہ وجودی تصوف کے نظریہ ''وحدت الشہود'' کے قائل ہوئے۔

# حوالہ جات


۱۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، ترتیب پبلشرز لاہور، جلد اول، ص: ۹۸۔

۲۔ ایضاً ص: ۳۵۱۔ ۳۔ ایضاً ص: ۹۸۔

۴۔ ایضاً ص: ۳۳۹۔

۵۔ سلسلۂ قادریہ کے بانی حضرت محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ تفصیلات اور سلسلہ کے اختصاصات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: لطف اللہ، پروفیسر، تصوف اور سریت، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۶ء ص: ۲۱۷-۲۱۹۔

۶۔ ایضاً ص: ۳۶۳۔ ۷۔ ایضاً۔

۸۔ ایضاً جلد ۲، ص: ۲۸۰۔

۹۔ صدیقی، ابواللیث، ملفوظاتِ اقبال مع حواشی و تعلیقات، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء ص: ۱۹

۱۰۔ ملفوظات اقبال مع حواشی و تعلیقات، ص: ۲۰۔

۱۱۔ غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر، منتخب مقالات (اقبال اور تصوف) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۲۵۔

۱۲۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول، ص: ۴۷۹۔

۱۳۔ آپ کی حیات اور تعلیمات کے لئے ملاحظہ فرمائیں مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، کراچی، اختر شاہجہان پوری، تجلیات امام ربانی، لاہور، ماہنامہ نور اسلام شرقپور کا نور اسلام نمبر، زوار حسین، سید، حضرت مجدد الف ثانیؒ، ''مکتوبات امام ربانی'' آپ کے علم و حکمت کا مظہر ہیں۔

۱۴۔ یہ تفصیلات ڈاکٹر بابر بیگ نے اپنے مضمون میں لکھی ہیں، جو ماہنامہ ''نور اسلام'' شرقپور، جون ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں ص: ۲۴ پر درج ہیں۔

۱۵۔ نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبالؒ، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۶۱۔

۱۶۔ ایضاً ۱۶۲۔

۱۷۔ جاوید اقبال کی عمر دس سال تھی وہ خود لکھتے ہیں: ۱۹۳۴ء میں جب راقم تقریباً دس برس کی عمر کا تھا تو اقبال اسے ہمراہ لے کر دوبارہ سرہند پہنچے۔ راقم انگلی پکڑے مزار کے اندر داخل ہوا۔ (جاوید اقبال،

ڈاکٹر، زندہ رود، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۱ء جلد ۲، ص: ۳۰۷)۔

۱۸۔ ملفوظات: ۶۰۳۔

۱۹۔ سعید راشد، مکالمات اقبال، بک کارنر جہلم ص: ۱۳۴۔

۲۰۔ قریشی، عبداللہ، محمد، متعلقات خطباتِ اقبال، مرتبہ: ڈاکٹر سید عبداللہ، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۳۲۸۔

۲۱۔ ملفوظاتِ اقبالؒ مع حواشی و تعلیقات، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۶۰۴۔

۲۲۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۸۸۔

۲۳۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۹۵ء، ص: ۴۰-۴۱۔

۲۴۔ ملفوظات ص: ۵۲۔

۲۵۔ ڈار، بشیر احمد، انوار اقبال، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ص: ۲۶۸۔

۲۶۔ منتخب مقالات، ص: ۳۸-۳۹۔ ۲۷۔ ملفوظات ص: ۱۵۴-۱۵۵

۲۸۔ آپ شیخ اکبر کے نام سے معروف ہوئے، سپین میں پیدا ہوئے احوال حیات اور افکار و نظریات کے تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں محسن جہانگیری، ڈاکٹر محی الدین ابن عربی، حیات و آثار مترجمین احمد جاوید، سہیل عمر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۹ء۔

۲۹۔ دفتر سوم کے مکتوب ۷۷ میں حضرت مجدد لکھتے ہیں: شیخ کی اس طرح کی گفتگو اور خلاف شرع باتوں کے باوجود شیخ مقبولین میں نظر آتے ہیں اور اولیاء کے زمرہ میں مشاہدہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دفتر سوم کا مکتوب ۸۹ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۰۔ قدوسی، اعجاز الحق، اقبال اور علمائے پاک و ہند، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۹۲

۳۱۔ ملفوظات ص: ۳۰۲۔ ۳۲۔ ایضاً ص: ۳۴۲

۳۳۔ منتخب مقالات ص: ۲۷۔

۳۴۔ نذیر نیازی، سید، دانائے راز، اقبال اکادمی لاہور ۱۹۸۸ء ص: ۳۴۱-۳۵۹۔

۳۵۔ کلیاتِ مکاتیب اقبال، جلد اول ص: ۳۴۱-۳۴۲۔

# بیدل دہلوی اور علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا تقابلی جائزہ و خصوصیات

☆۔محمد شاہ ضعیف

بیدل، کمیت و کیفیت کے اعتبار سے عظیم مصنف اور سبکِ ہندی کے بلند مرتبہ شاعر تھے۔ مضمون آفرینی، باریک خیالی، رفعتِ اندیشہ اور عرفانی حقائق کے بیان کرنے میں وہ منفرد شخص تھے۔ ان کا مزاج عارفانہ اور فلسفیانہ تھا۔ انہوں نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بعض فتوحات اور حکمت عملیوں کو سراہا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نہ کسی کی تعریف کی اور نہ مذمت، انہوں نے ایک مدت اپنے مولد پٹنہ (عظیم آباد) میں زندگی گزاری، بعد میں دہلی آئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی ثم الدہلوی بچپن ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اور ان کی پرورش ان کے عم محترم میرزا قلندر نے کی۔ میرزا قلندر بڑی بلند سیرت کے مالک تھے۔ اُمّی محض تھے مگر بزرگوں کی صحبت میں حاضر ہونے کا بڑا شوق تھا۔ روحانیت کی لگن دل میں رکھتے تھے، اولیاء اللہ کی مبارک سیرت کے بڑے دل دادہ تھے۔ اس لیے انہوں نے سوچا، کجا اربابِ طریقت کی پاکیزہ مشربی اور کجا ان معلموں کی سفلہ مزاجی۔ وہیں کھڑے کھڑے انہوں نے فیصلہ کیا کہ بیدل کو عربی علوم کے ان اساتذہ کے زیرِ سایہ نہیں رہنے دینا چاہیے۔ چنانچہ اپنے بھتیجے کو انہوں نے مکتب سے اٹھا لیا۔ میرزا قلندر کا یہ فیصلہ بہت ہی دور بینی کا نتیجہ تھا۔ بیدل کی مکتب کی تعلیم ختم ہو گئی، عربی علوم کے دروازے ان پر بند ہو گئے اور علمائے ظاہر کے متعلق ان کے دل میں مستقل نفرت پیدا ہو گئی اعلیٰ انسانی اقدار اور اخلاقِ عالیہ کے لیے رجحان پیدا ہوا اور روحانیت ان کا مطمعِ نظر بن گئی۔(۱)

۱۰۵۴ھ تاریخ تولد تھی۔ اس وقت ایک صوفی منش درویش میرزا ابوالقاسم ترمذی نے از روئے

---

☆۔طالب علم، ایم۔فل فارسی اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

حساب ان کی تاریخ پیدائش ''فیض قدس'' اور ''انتخاب'' کے الفاظ سے نکالی تھی۔ان کے چچا کے علاوہ باقی گھر والے بھی ان کے شاندار مستقبل کے متعلق بڑے پر امید تھے۔تمام کا خیال تھا کہ بیدل ایسا انتخاب روزگار انسان بنے گا جو اپنی قدسی صفات کی بنا پر تمام جہان میں مشہور ہوگا۔میرزا بیدل کو قدرتی طور پر دم کرنے اور تعویذ لکھنے کا شوق ہوگیا تھا۔ابھی وہ بہت چھوٹے تھے کہ بیماروں اور پریشان حال لوگوں کو دم کرتے اور اپنے گلے کا تعویذ ان کے گلے میں ڈال دیا کرتے۔دھیرے دھیرے تعویذ گنڈوں سے دلچسپی بڑھتی چلی گئی اور ایک واقعہ کی بنا پر یہ دلچسپی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔میرزا بیدل سلسلۂ قادریہ سے منسلک تھے۔قادری سلسلہ کے ایک پابند شرع بزرگ مولانا کمال نے میرزا قلندر کو ایک اسم بتایا، جسے پڑھ کر ہاتھ کے انگوٹھے پر پھونکنے سے آسیب کی تکلیف دور ہو جاتی تھی۔بیدل نے وہ اسم سن کر اپنے ذہن میں محفوظ کرلیا۔ایک روز وہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ محلے کی ایک عورت کو یہی تکلیف ہوگئی۔کئی تدبیریں اختیار کی گئیں مگر اس کی طبیعت بحال نہ ہوئی۔کھیلتے کھیلتے بیدل نے سوچا، مولانا کی مبارک زبان سے سنا ہوا اسم آج آزمایا جائے۔چنانچہ انہوں نے پڑھ کر پھونکا تو عورت کی تکلیف فوراً دور ہوگئی۔مولانا کمال کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو بڑے خوش ہوئے اور بیدل کو عملیات اور تعویذات کی اپنی خاص بیاض عطا فرمائی۔اس واقعہ سے باطنی اثرات کے متعلق بیدل کا اعتقاد اور بھی پختہ ہوگیا۔ان کے والد مرحوم میرزا عبدالخالق بھی بڑے بزرگ تھے۔(۲)

میرزا بیدل نے اساتذہ کا کلام بہ دِقّتِ نظر پڑھا۔ان ایام میں وہ ''رمزی'' تخلص کرتے تھے۔شاید اس بنا پر کہ انہیں گمان تھا کہ ان کا سینہ رموز ونکات کا خزینہ ہے اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے اشعار اس خزینے کے گرانمایہ جواہر پارے ہیں۔اس تخلص کے ساتھ انہوں نے بڑے اشعار کہے جو کبھی کبھی وہ اپنے مذکورہ بالا شفیق بزرگ مولانا کمال کو بھی دکھالیا کرتے تھے۔مولانا ہمیشہ ان کی تعریف کرتے، اس کے باوجود بیدل نے اپنے ان اشعار کو محفوظ نہ رکھا۔مولانا اسم بامسمّٰی تھے، وہ شعر وسخن کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر بھی بیدل کی تربیت کی طرف متوجہ تھے اس لیے بیدل کا سوز دروں بھی ترقی پذیر تھا اور عشق الٰہی طبع میں حرارت پیدا کررہا تھا۔ایک روز ''گلستان سعدی'' کا دیباچہ پڑھنے سے طبیعت پر خاص کیفیت طاری ہوگئی، حال وارد ہوگیا۔(۳)

گر کسی او زمن بپرسد
بیدل از بی نشان چہ گوید باز (۴)

خداوند تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور محبت کے متعلق دل میں جو احساسات اور جذبات پرورش پارہے تھے، یک لخت اُبل پڑے۔ دیر تک بے حال رہے۔ زبان پر بار بار یہ مصرع آتا تھا:

ع بیدل از بی نشان چہ گوید باز

بیدل دہلوی بنیادی طور پر درویش تھے، وہ صوم وصلوٰۃ کے عادی تھے۔ دہلی میں صرف بھنے ہوئے چنے افطاری کے وقت استعمال کرتے تھے اور اکبر آباد میں پسا ہوا کتیرہ استعمال کیا کرتے تھے اور جب وہ ختم ہوا تو فاقوں کی نوبت آئی مگر گداگری مسلکِ فقر کے خلاف تھی، اس لیے متوکل رہے۔ حتیٰ کہ خداوند کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کا خود بخود انتظام فرما دیا۔ صوفیائے کرام کا مشہور مقولہ ہے کہ "المشاھدات مواریث المجاھدات"۔ انہی ایام میں میرزا بیدل کو عجیب وغریب مشاہدات، مکاشفات اور رؤیائے صالحہ کا اتفاق ہوا، علاوہ بریں انہی ایام میں ایک رات وہ دہلی کے بازاروں میں گشت کرنے کے بعد واپس آرہے تھے تو انہوں نے ہوا میں پرواز شروع کر دی۔ ٹھہرتے تو زمین پر ہوتے، چلتے تو از خود پرواز شروع ہو جاتی اور ایک نواب صاحب کے محل کے قریب تو وہ ہوا میں اتنی بلندی پر پہنچے کہ صحن خانہ میں ایک پردہ دار خاتون کو شمع کی لَو میں کپڑے سیتے بھی دیکھا۔ (۵)

میرزا بیدل روحانی لحاظ سے بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگے، آمد شباب پر جس طرح یک لخت قد بڑھتا ہے اور کیفیات دگرگوں ہو جاتی ہیں یہی حالت بیدل کے روحانی ارتقا کی تھی۔ پس جوانی میں ہی ان کے فقر کا شباب شروع ہو گیا اور پھر پختگی پیدا ہونے سے پہلے آٹھ دس سال تک ان کی زندگی بڑی طوفانی کیفیتوں کی حامل رہی۔ عالم جمادات، عالم حیوانات اور عالم نباتات میں سے ہر ایک کی استعداد مرئی طور پر نگاہوں کے سامنے آئی اور حقیقتِ انسان واضح ہوئی۔ اس نظارے کے دوران میں انہوں نے حضور ﷺ کی ذات مبارک کو بر سرِ بالیں دیکھا۔ بیدل کا سر حضور اکرم ﷺ کے زانوئے مبارک پر تھا اور آنجناب ﷺ کے سایۂ عاطفت میں تمام حقائق کے رموز وا ہو رہے تھے، جب بیدل نے اپنے آپ کو دیکھا تو شرمسار ہوا اور سوء ادبی کی بنا پر آغوشِ قدسی سے اپنا سر اٹھا بھی نہ سکا۔ ہزار جان سے چاہا کہ اپنا سر حضور ﷺ کے زانوئے مبارک سے اٹھا لے لیکن وفورِ شرم وحیا کی وجہ سے بے حس وحرکت ہو چکا تھا۔ سر بدستور کنارِ رحمت میں رہا، سرور و حضور کا کیا کہنا! کچھ دیر کے بعد پردۂ مثال پر ایک اور نظارہ دیکھا، بساطِ کبریا پر جناب ولایت مآب

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ متمکن تھے۔ یہ وہ استادِ جلال تھا جہاں فرشتوں کے بھی پر کٹتے تھے۔ جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے بیدل کا بند بند کانپنے لگا۔ اس موقع کی کیفیات کے زیر اثر بیدل نے مندرجہ ذیل نعت لکھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیدل کے دل میں جناب سرورِ کائنات ﷺ سے کس درجے کی محبت اور عقیدت پائی جاتی تھی:

رونق این هفت محفل از چراغش پرتوی
جوش این نه بحر اخضر رشحه ای از جوی اوست

''اس ہفت محفل کی رونق اس کے چراغ کے سائے سے ہے اور اس کا جوش بحر اخضر سے نہیں اس کی ندی کے قطرہ سے ہے''۔

از من بیدل چه امکان داشت فهم راز غیب
شد یقینم کاین اشارت از خم ابروی اوست (۶)

''غیب کے راز کا مجھے کیا علم، مجھے یقین ہو گیا کہ اشارہ اس کے ابرو کے خم کا ہے''

''حقیقتِ محمد یہ ہمہ وقت سایہ افگن احوال تست و باطن نبوت ہیچ گاہ دامن تربیت از سرت برنمی گیرد ہر چند آداب ظاہر از تو بجانمی آید''۔ اپنے خواب کی یہ تعبیر سن کر بیدل اس قدر مسرور ہوئے کہ فرطِ مسرت سے آنکھ کھل گئی۔ اس خواب کی عظمت اور اہمیت اظہر من الشمس ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کے دل میں جناب سرور کائنات ﷺ سے انتہا درجے کی محبت اور عقیدت پائی جاتی تھی۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفٰی ﷺ ایک بحرِ ذخار کی مانند ہیں جس کی موجیں آسمان کو چھوتی ہیں، تم بھی اسی سمندر سے سیرابی حاصل کرو تا کہ تمہیں حیاتِ نو نصیب ہو اور تمہاری وہ بھولی بسری کیفیات جنہیں مادی دنیا نے تم سے چھین لیا ہے، از سرِ نو تم کو میسر آجائیں:

می ندانی عشق و مستی از کجاست؟
این شعاع آفتابِ مصطفیٰؐ ست (۷)

''تو نہیں جانتا کہ عشق و مستی کہاں سے ہے؟ یہ (عشق) حضور اکرم ﷺ کے سورج کی شعاع ہے''

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
ای خنک شهری که آنجا دلبر است (۸)

''مدینہ منورہ کی مٹی دونوں جہانوں سے افضل ہے، اے خوش بخت شہر کہ وہاں محبوب ہے''۔

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک عشق اس وقت تک بے معنی ہے جب تک محبوب کا اتباع نہ کیا جائے۔ محبوب کے عادات و شمائل، افعال و اقوال، رفتار و گفتار، عادات و اطوار، اخلاق و خصائل، پسند و ناپسند کو اپنے لیے نمونہ بنانا اور تقلید و اتباع کا اہتمام کرنا ازبس لازم ہے۔

میرزا عبدالقادر بیدل دہلوی اپنے پاس ایک عصا بھی رکھتے تھے اس عصا کا نام ''شاخ نازک'' تھا، اس کا وزن ۳۵ سیر شاہ جہانی تھا۔ عصا کے متعلق کہتے: ''سنت الانبیاء، زینت الصلحاء، مونس الاعمیٰ، ممد الضعفاء و دافع الاعداء''۔ بیدل کی فکریات سے علامہ محمد اقبالؒ کی شیفتگی کا ایک ثبوت پروفیسر حمید احمد خاں کے اس مضمون سے ملتا ہے جس میں انہوں نے علامہ محمد اقبالؒ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک زمانے میں کلام بیدل کا انتخاب کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۹۲۶ء میں علامہ محمد اقبالؒ نے بی اے کے فارسی کورس میں ''نکاتِ بیدل'' سے کچھ حصہ انتخاب کر کے شامل کیا۔ علامہ محمد اقبالؒ ان دنوں یونیورسٹی کے فارسی بورڈ کے ممبر تھے۔ اس انتخاب سے جہاں ایک طرف بیدل کی حکیمانہ نظر، نکتہ آفرینی اور نادرہ کاری کا اندازہ ہوتا ہے وہیں علامہ محمد اقبالؒ اور میرزا بیدل کی فکریات کی مماثلات بھی کسی قدر ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ بیدل شناسی کا اظہار کہیں تو بیدل کے ان اشعار سے ہوتا ہے جنہیں وہ تضمین کرتے ہیں اور کہیں ان کے بعض اشعار کی فکر افروز تشریحات سے، کہیں علامہ محمد اقبالؒ کشن پرشاد شاد کو دیوانِ بیدل ایڈٹ کرنے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں اور کہیں غالب اور بیدل کے تصوف کا مقابلہ کر کے اول الذکر کے تصوف کو سکونی اور مؤخر الذکر کے تصوف کو متحرک قرار دیتے ہیں۔ صرف نثر ہی میں نہیں اقبالؒ نے اپنی شاعری میں بھی بیدل دہلوی کا دو موقعوں پر ذکر کیا ہے۔ ''بانگِ درا'' میں ''مذہب'' کے عنوان سے شامل نظم میں اقبالؒ بیدل کو مرشدِ کامل قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ علوم جدید کی بنیاد محسوس پر ہے جبکہ بیدل کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:۔

باهر کمال اندکی آشفتگی خوش است

ہر چند عقل کل شدہ بی جنوں مباش

''ہر کمال کے ساتھ تھوڑی پریشانی وآشفتگی اچھی ہے جب عقل تمام ہو جائے جنوں کے بغیر نہیں رہتی''۔

علامہ محمد اقبالؒ نے مذکورہ بالا شعر بیدل کی تضمین کر کے اپنے فلسفۂ زندگی کی بخوبی وضاحت کر دی ہے۔ ''ضرب کلیم'' میں مرزا بیدل کے عنوان نظم میں اقبال نے کائنات کی ماہیت کے مسئلے کو سلجھانا چاہا ہے اور بیدل کے ایک شعر کی تضمین کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ شعر اس حیرت کدے کا دروازہ بہت خوبی سے کھولتا ہے:۔

فارسی۔ دل اگر می داشت وسعت بی نشان بود این چمن

رنگ می بیرون نشست از بسکه مینا تنگ بود

(اردو)۔ ہے حقیقت یا مری چشم غلط بیں کا فساد

یہ زمیں ، یہ دشت ، یہ کہسار یہ چرخ کبود

کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے

کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود

میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ گرہ

اہل حکمت پر بہت مشکل رہی جس کی کشود (۹)

میرزا بیدل اور علامہ محمد اقبالؒ کا حق اور حقیقت کے بارے میں نقطۂ نظر بہت مماثل ہے۔ بحیثیت مجموعی وہ بیدل کی نفسِ انسانی میں گہری بصیرت کے بے حد مداح نظر آتے ہیں۔ پھر دونوں عظیم شعراء وجدان ہی کو وہ معیار اور وسیلہ قرار دیتے ہیں جس کی مدد سے کائنات کی تفہیم ممکن ہے۔ دونوں کا موقف یہ ہے کہ مجرد عقل پرستی سے کام نہیں چلتا۔ دونوں عظمتِ انسان کے قائل ہیں اور دونوں کی نظر وجودِ انسانی میں موجود ان بے پناہ امکانات پر ہے جن کے بل پر فطرت کی قوتوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہوا جا سکتا ہے۔ بیدل متعدد استعاروں، تشبیہوں اور علامتوں کی مدد سے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔ کہیں وہ عظمت انسانی کا علم بلند کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کوہ سینا نے بھی اپنا نور اسی جگنو سے مستعار لیا ہے اور کہیں وہ انسان کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنے قلب کے حجابات دور کر دے تاکہ خزانہ ازلی تک اس کی رسائی ہو سکے۔ ذیل کے

چند شعر دیکھیے جو بیدل کے تصورِ حیات اور تصورِ انسان کی بخوبی وضاحت کرتے ہیں، واضح رہے کہ بیدل کے حرکی تصورِ حیات میں ان کے نسلی خصائص کا بھی بڑا دخل ہے:۔(۱۰)

بیدل: برون دل نتوان یافت ہر چہ خواہی یافت
کدام گنج کہ در خانۂ خراب تو نیست

"بیرون دل جو پانا چاہا، تو نہ پاسکا، کونسا خزانہ تیرے خانہ خراب (دل) میں نہیں ہے"۔

اقبال: عالم سوز ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو ، ہجر میں لذتِ طلب

بیدل: ہر دو عالم خاک شد تابست نقش آدمی
ای بہار نیستی از قدر خود ہشیار باش

"دونوں جہاں خاک ہوگئے تب جا کے انسان کا نقش بنا، اے بہار نیستی (انسان) اپنی قدر سے باخبر ہو"۔

اقبال: آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقان ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو ، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

بیدل: من آن شوقم کہ خود را در غبار خویش می جویم
رہی در حیبِ منزل کردہ ام ایجاد و می پویم

اقبال: ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر ، آپ ہی منزل ہوں میں

علامہ محمد اقبالؒ اور میرزا بیدل کے بعض اشعار میں کس قدر گہری معنوی اور اسلوبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ان اشعار کو پڑھ کر انہی موضوعات پر اقبال نے شعر درج کیے ہیں ان کے الفاظ و تراکیب میں اشتراک محسوس ہوتا ہے۔اقبال کے ہاں "قافلۂ رنگ و بو" آئینہ دار ہستی" اور "فیض شعور" جیسی تراکیب نظر آتی ہیں جن پر بیدل کی ایجاد طراز طبیعت و منفرد اسلوب کا رنگ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر عبدالغنی نے اپنی کتاب "Life and Works of Abdul Qadir Bedil" میں ایسی تراکیب کی ایک طویل فہرست مہیا کردی ہے۔

اقبال لاہوریؒ اور بیدل دہلوی دونوں تصوف کی ان صورتوں کو افرادِ ملت کے لیے خطرناک تصور کرتے تھے جنہوں نے شریعت کی تکالیف اور تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر ایسی طریقت کا جواز مہیا کر دیا تھا جو ایک طرف بہانۂ بے عملی ثابت ہوئی اور دوسری جانب اس سے دسیوں ایسی بدعات ظہور میں آئیں جو روحِ اسلام کے منافی تھیں۔ اقبالؒ نے متعدد مقامات پر ایسے تصوف کو عجمی تصوف کا نام دیا ہے اور اس کے منفی اثرات کا تصوف پر اپنی مختصر کتاب کے علاوہ اپنے مضامین خطوط، دیباچہ اسرارِ خودی وغیرہ میں مفصل جائزہ لیا ہے۔ جہاں تک بیدل کا تعلق ہے وہ بھی اس قسم کے تصوف کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں:

در مزاج خلق بے کاری ہوس می پرورد
غافلان نام فضولی را تصوف کردہ اند (۱۱)

''مخلوق کے مزاج میں بے کار ہوس پیدا ہوگئی، غافلوں نے فضول کام کو تصوف کا نام دے دیا ہے''۔

بیدل کے سلسلے میں جو چیز زیادہ قابلِ اعتنا ہے وہ ہے ان کا اعلیٰ درجے کا کثیر الجہات ذہن جو دنیا کے تقریباً تمام عظیم مفکروں کے روحانی تجربات سے گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ان مفکرین میں برگساں بھی شامل ہے۔ چنانچہ بیدل کے افکارِ شعری میں جہاں جہاں برگسانی رنگ جھلکتا ہے اس کی جانب میں مغربی فلسفے کے طالب علموں کی توجہ خاص طور پر مبذول کرتا ہوں۔ البتہ بیدل کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ کسی ایسے شاعر سے مابعد الطبیعات کے ایک مرتب اور منضبط نظام کی توقع ناانصافی پر مبنی ہے۔ جس کے بے چین ذہن کو ترتیب و تہذیب کے تکلیف دہ عمل میں پڑے بغیر ایک گریز پا حقیقت کے بے انتہا مختلف پہلوؤں سے صرف نظر کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ بیدل کے یہاں ان کے دیگر خیالات و نظریات کے ساتھ ساتھ ایک تصور وہ بھی ہے جسے برگساں کا تصورِ حقیقت کہنا چاہیے اور جس کا ترجمہ اقبال اور بیدل اپنی روحانی ترقی کے مراحل میں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ (۱۲)

علامہ محمد اقبالؒ، میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے بے حد مداح تھے، وہ انہیں مرشد کامل کہتے ہیں اور انہیں اپنے کلام نظم و نثر میں بڑی عقیدت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ بیدل اور غالب دہلوی کے فکر و فن کے روابط پر تحقیق کرنے کے ضمن میں انہیں بغایت دلچسپی تھی۔ بیدل کے کلام کی تضمین بھی فرمائی اور پیروی بھی کی۔ بیدل معاصرین سے لے کر عصر حاضر کے اردو و فارسی شعرائے برصغیر تک کے لیے باعث توجہ رہے مگر اس ضمن

میں غالب کے بعد علامہ محمد اقبالؒ ممتاز تر نظر آتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ بیدل اپنی روش کے موجد اور خاتم تھے اس لیے اقبال نے بیدل کی تقلید میں اپنی توانائی صرف نہیں کی ہے۔ بیدل کی مداحی کے باوجود، اقبال نے ان کی مشکل پسندی کی روش اختیار نہیں کی۔ بیدل کے موضوعاتِ بحث میں سے اقبال کو حیرت، خود داری، جنون (عشق)، وسعتِ قلب اور بے نیازی خاص طور پر عزیز تھے۔

بیدل کی کئی پسندیدہ تراکیب اور لفظیات جیسے حیرت، آئینہ، شمع، از خود رمیدہ، عشق غیور، بانگ درا، مزرع تسلیم، الطاف عمیم، برق، برق تجلی، ذوق نمود، ذوق تبسم، لطف خرام، توسنِ ادراک اور قافلہ رنگ و بو وغیرہ علامہ محمد اقبالؒ کے ہاں فراوانی سے موجود ہیں۔ (۱۳)

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
آزادی و یک رنگی اے ہمت مردانہ
یا حیرت فارابی یا تاب و تب رومی
یا نعرۂ مستانہ، کعبہ ہو کہ بت خانہ

بیدل کے ہاں حیرت کا نمونہ:

خیالش بر نمی تابد شعور ای بی خودی جوشی
نمی گنجد بدیدن جلوه اش ای حیرت آغوشی

''اس کا خیال شعور میں نہیں آتا، اے بے خودی جوش میں آ، نہ اس کا جلوہ آنکھوں میں سما تا ہے، اے حیرت آغوش کھول''۔

افلاطون کے ہاں حیرت کی یہ اہمیت ہے کہ اس کے ذریعے ہمیں فطرت سے ہمکلامی کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بیدل کے ہاں حیرت کی اہمیت ماورائے وارداتِ عقل ہے اور اس ضمن میں میرزا بیدل سے زیادہ خوبصورت انداز اختیار کرنا ناممکن ہے۔ آخری عمر میں علامہ محمد اقبالؒ نے حیرت کے بجائے ''یقین'' پر لکھا ہے اور وہ تصورِ اولیہ کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ بہر صورت، بیدل کا تحیر و حیرت، ''تفکر فی الانفس و الآفاق'' کا مظہر ہے۔ پیامِ مشرق کی ایک غزل کو ہی دیکھ لیجئے جس کا مطلع یوں ہے:

سوز سخن ز نالۂ مستانۂ دل است  این شمع را فروغ ز پروانۂ دل است

''باتوں کا سوزِ مستانہ دل کے آہ وفغاں سے ہے۔اس شمع کا فروغ پروانہ دل سے ہے''۔

یہ میرزا بیدل کا بھی پسندیدہ موضوع رہا ہے ان کا ایک معروف شعر ہے:

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو وسمن در آ
کہ تو ز غنچہ کم ندمیدہ ای در دل کشا بہ چمن در آ

''باغوں اور سرو سمن کی سیر کے لیے دل کا دروازہ کھول اور اس میں آ جا''۔(۱۴)

علامہ محمد اقبالؒ نے ضرب کلیم میں ''میرزا بیدل'' عنوان کے ایک قطعہ میں جو شعر تضمین کیا ہے وہ انسان کے عالم اکبر ہونے کا مظہر ہے جس کے مقابلے میں یہ کائنات عالم اصغر ہے۔انہوں نے بھی کہا ہے:

آنچہ در عالم نگنجد آدم است
آنچہ در آدم بگنجد، عالم است

''جہان میں آدم نہیں سماتا لیکن آدم میں جہان سماجاتا ہے''۔

علامہ محمد اقبالؒ کا مطالعہ کرتے وقت ایسا نظر آتا ہے کہ انہوں نے بیدل سے بعض مضامین اخذ کیے اور اپنے اردو یا فارسی اشعار میں باندازِ دیگر بیان کیے ہیں مثلاً:

بیدل: دانا نبود از ہنر خویش برومند
از میوۂ خود بہرہ محال است شجر را

اقبال: آہ بد قسمت رہے، آواز حق سے بے خبر
غافل اپنے پھل کی شیرینی سے ہوتا ہے شجر

بیدل: بر طبع ضعیفان ز حوادث المی نیست
خاشاک کند کشتیٔ خود موج خطر را

اقبال: سفینہ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہو گا

بیدل: چہ لازم با خرد ہمخانہ بودن
دو روزی می توان دیوانہ بودن

اقبال: اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

بیدل: پشت و روی صفحه ادراک تست اسلام و کفر
سطر قرآن را از کم بینی چلیپا کردهٔ
حسن مطلق را مقید تا کجا خواہی شناخت
آه ازان یوسف که در چاہش تماشا کردهٔ (۱۵)

اقبال: زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تونے
کنوئیں میں تونے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا، مقید کردیا تونے

مجنوں گورکھ پوری، بیدل کو بہت بڑا دانشور، معلمِ اخلاق اور دانائے راز سمجھتے، جو زندگی کی اصلیت اور اخلاق وتمدن کی اہمیت سے واقف تھا۔ مجنوں گورکھ پوری کہتے ہیں کہ اگلے زمانے کے فارسی زبان کے شاعروں میں بیدل سے بڑا حکیم اور مفکر مشکل سے ملے گا۔ وہ اندرونی جذبات اور احساسات کو بیان کرنے کے لیے مختلف قسم کے پیرائے استعمال کرتا تھا جو غیر مانوس ہوتے ہوئے بھی جمیل اور دل کش معلوم ہوتے تھے مثلاً:

رمیدی از دیله بی تأمل، گذشتی آخر بصد تغافل
اگر ندیدی تپیدنِ دل، شنیدنی داشت نالهٔ ما (۱۶)

”آنکھوں سے بے تأمل بھاگے اور سینکڑوں تغافل سے گزرے، اگر تونے تڑپتا ہوا دل نہیں دیکھا تو میری آہ وفغاں سننے کے قابل ہے“۔

مجنون گورکھ پوری یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ واقعی بیدل محیط بے ساحل ہے، اس کی کائناتِ فکر کا رقبہ لامحدود ہے۔ دنیا اور انسان کی خلقت کے راز، انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مسئلوں میں کون سا پہلو یا مسئلہ ہے جس پر بیدل نے غور وفکر نہ کیا ہو اور جس کے متعلق اس کے ہاں ہدایتی اشارے نہ ملتے ہوں۔ حکمت وفلسفہ، اخلاق ومعاشرت، مذہب ومعرفت، کیا ہے جو بیدل کے کلیات نظم ونثر میں نہ ہو اور جس میں بیدل

ہمارے لیے ایک مجتہد کی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ مضامین اور اسالیب میں بیدل کے ہاں جیسا لامتناہی تنوع ہے، اس کی مثال فارسی یا اردو کے کسی دوسرے شاعر یا نثر نگار کے ہاں نہیں ملتی۔ اسی عظمت اور تنوع کے سبب، ہم عصر یا بعد کے لوگ بیدل سے حقیقی معنوں میں آشنا نہ ہو سکے۔ وہ اپنی شخصیت، اپنے فکر و احساس اور اپنے اسلوب و انداز کے اعتبار سے ایک مجتہد تھا۔ دنیا کی اس تک نارسائی اور اپنے بلند مقام کا اسے احساس تھا:

در جستجوی ما نکشی زحمت سراغ

جای رسیده ایم که عنقا نمی رسد

''ہماری جستجو میں کسی نے سراغ کی زحمت نہ کی، ہم اس جگہ پہنچ گئے ہیں کہ کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا''۔

خواجہ عبدالرشید ''رموزِ تصوف'' سے متعلق اپنی تصنیف ''معارف النفس'' میں لکھتے ہیں کہ علامہ محمد اقبال سے پہلے دنیائے اسلام نے ہندوستان میں تین مفکر پیدا کیے:

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ،     ۲۔ میرزا عبدالقادر بیدل دہلویؒ

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔

بیدل دہلویؒ کے متعلق خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ تصوف کی دنیا میں ان کا مقام بہت بلند ہے اور جو رموز و نکات اس کے ہاں موجود ہیں، مغرب ابھی تک ان کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔ روحانی دنیا پر بیدل کی گرفت بڑی پختہ اور تجربہ کارانہ ہے۔ وجودیت اور روحانیت کی تعلیم جو اس کے ہاں موجود ہے، وہ دانشورانِ مغرب کے ہاں ناپید ہے۔ بیدل ہی تھا جس نے پہلے دل کو بڑے پیار سے ''آئینۂ تمثال'' پکارا تھا، وہ تمام کائنات کو کلمات تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کلمات حروف سے تخلیق کیے گئے ہیں جو کتاب کائنات میں مصور ہیں اور یہ مصور حروف اشیاء کی صورتیں ہیں جو ہم دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں اور اسی آئینۂ تمثال کے توسط سے ہم ان کا ادراک کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب رقمطراز ہیں کہ بیدل کا کلام بڑا پیچیدہ اور مشکل ہے تاہم جہاں جہاں اور جب بھی کسی جگہ پر معانی کی جھلک پڑتی ہے تو ذہن کے کئی ایک اندھیرے خانے منور ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ بیدل کے ہاں ہمیں وہ سب کچھ ملتا ہے جس کی تلاش ہم مغربی فلسفہ اور روحانیت میں کرتے ہیں۔ بیدل جمال شعور اور حقیقت و مجاز کے متعلق بھی بعض نقطے بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کی طرح میرزا بیدل کے اشعار میں بھی ملتِ اسلامیہ کا درد، احترام و عظمتِ انسانی

کے افکار، اجتماعی شعور اور خودشناسی کے تصورات پائے جاتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میرزا بیدل بھی علامہ محمد اقبالؒ کی طرح ملوکیت کے خلاف تھے۔ اقبالؒ، میرزا بیدل کے مداح بھی تھے اور ان کے فکر و فن سے متاثر بھی، بیدل اور اقبال دونوں عظیم و منفرد صوفی منش درویش اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ دونوں قلندرانہ نظریہ اور رویہ رکھتے تھے۔ اقبال کی طرح بیدل بھی زندگی کے بارے میں حرکی نظریہ رکھتے ہیں، ان کے ہاں بھی اقبالؒ کی طرح زندگی کی اعلیٰ اقدار کا شعور ملتا ہے، وہ اقبال کی طرح آرزو، بلند ہمتی اور سعی و کوشش کو اعلیٰ زندگی کی اساس سمجھتے ہیں۔ دونوں کا نظریہ متصوفانہ ہے۔

بیدل اور اقبالؒ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ بیدل کے ہاں مفکرانہ حیرت اور اقبالؒ کے ہاں حکیمانہ اور مصلحانہ یقین ہے۔ بیدل کے ہاں مستی اور تحیر کی سی کیفیت ہے۔ یہ شاعر خدامست، خدا کے جلال و جمال کے مناظر جو کائنات میں ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں، دیکھتا ہے، غور کرتا ہے اور مسرور و متحیر ہوتا ہے، یہ تحیر کا عنصر بیدل کے کلام میں ان کی جذب و مستی کی کیفیت کا بھی آئینہ دار ہے اور ان کے عارفانہ فہم کا عکاس بھی، بیدل دہلوی کی نظر میں تو پتھر میں بھی دل دھڑک رہا ہے، یہ بھی ایک مینا خانہ دل ہے، اسے بھی ذرا آہستہ ہاتھ لگایئے۔ (۱۷)

ذره تا خورشید عرفان جلوه است اما چه سود

دیده های خلق بر غفلت نگاه افتاده است

''ذرہ سے سورج تک عرفان جلوہ نما ہے لیکن کیا فائدہ، مخلوق کی آنکھیں تو غفلت میں لگی ہوئی ہیں''۔

میرزا بیدل خدامست تھے اس لیے ان کی غزلوں میں حمد حق کے فکر انگیز اور ایمان افروز مطالب بہت زیادہ ہیں اور اس عنوان سے بھی وہ فارسی کے بے مثال شاعر ہیں۔ اسی عشقِ حق کا ایک اثر انسان دوستی کا وہ شدید جذبہ ہے جو ان کے کلام میں بہت نمایاں ہے جبکہ ملت کا درد علامہ محمد اقبالؒ کے کلام پر چھایا ہوا ہے۔ اقبالؒ کے ہاں ایک مصلحانہ اضطراب اور حکیمانہ پیچ و تاب کی سی کیفیت ہے جبکہ بیدل کے ہاں عارفانہ سکون و تمکین ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ اور میرزا عبدالقادر بیدلؒ بلاشبہ بڑے شاعر اور صوفی منش درویش تھے۔

# حوالہ جات


۱۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، روح بیدل، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، ص ۶۰، ۶۳۔

۲۔ محمد اکرم، شیخ، شعرالعجم فی الہند، لاہور (پاکستان)، ص ۱۰۲۔

۳۔ حسن انوشہ، دانشنامۂ ادب فارسی، ادب فارسی در شبہ قارہ، بخش اول، جلد چہارم، تہران (ایران)۔

۴۔ دہلوی، میرزا، کلیات بیدل، بہ چاپ دہلی، (ہندوستان)۔

۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام دانشگاہ پنجاب لاہور۔

۶۔ روح بیدل، ص ۵۱، ۵۲۔

۷۔ فاروقی، محمد طاہر، ڈاکٹر، اقبال اور محبت رسول ﷺ، لاہور، ص ۴۷۔

۸۔ حکیم الامت، محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، اسرار خودی، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۸۔

۹۔ حکیم الامت، محمد اقبال، علامہ، ضرب کلیم، اردو، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۱۲۔

۱۰۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، اقبال اور فارسی شعراء، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ص ۲۵۲۔

۱۱۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، فیض بیدل، مکتبہ مجلس ترقی ادب لاہور، ص ۱۷۲۔

۱۲۔ حکیم الامت، محمد اقبال، علامہ "مطالعۂ بیدل، فکر برگساں کی روشنی میں"، ترتیب و ترجمہ ڈاکٹر تحسین فراقی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ص ۱۳۔

۱۳۔ عباداللہ اختر، خواجہ بیدل، ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ لاہور، ص ۲۵، ۷۰۔

۱۴۔ صدیقی، ظہیر احمد، ڈاکٹر، دل بیدل، مجلس تحقیق و تالیف فارسی لاہور، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور، ص ۳۶۔

۱۵۔ شفیعی، محمد رضا، کدکنی، شاعر آئینہ ھا، تہران (ایران)، ص ۹۲، ۱۰۳، ۱۱۲۔

۱۶۔ کلیات بیدل، ردیف الف، مرتبہ خلیل اللہ خلیلی، افغانستان۔

۱۷۔ دل بیدل۔

# میاں محمد بخشؒ تے علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ دے کلام وچ فکری سانجھ

☆ سعادت علی ثاقب

ادب دی دنیا کِنّے ای اَن گنت چمکدے چن تاریاں نال بھری ہوئی اے ۔ ایہناں جگمگاندے تاریاں وچ شاعری دا اپنا اک وکھرا ای کھیتر ( میدان ) اے ۔ ایس کھیتر وچ ورجل، چاسر، شیکسپئر، ملٹن تے بائرن جیہے لوک مغربی دنیا وچ خیالاں دیاں کرناں کھلاردے رہے تے مشرق وچ مولانا رومی، جامی، سعدی، تے حافظ شیرازی رحمہم اللہ توں وکھ میر تے غالب ورگے کوی شاعر اپنیاں سوچاں دی بھٹھی وچوں اجیہے ہیرے تراشدے رہے جہڑے لوکائی دے دلاں وچ ہمیش چانن کردے رہن گے ۔ شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ اردو زبان و ادب وچ اپنی ڈونگھی فلسفیانہ سوچ پاروں فکر و فن دی اِک وکھری دنیا آباد کیتی بیٹھے نیں ۔ سگوں اردو شاعراں وچ اوہناں دا اوہو ای مقام اے جیہڑا تاریاں وچ چن دا اے ۔

پنجابی زبان وی صدیاں توں اپنا لسانی تے ادبی پندھ کردی ٹری آ رہی اے ۔ ایہہ ادبی سرمایہ عظیم درویش تے صوفی شاعر بابا فرید شکر گنج رحمہ اللہ توں شروع ہوندا اے ۔ اَگوں ایس زبان وچ شاہ حسین، سلطان باہو، بلھے شاہ، وارث شاہ، ہاشم شاہ، مولوی غلام رسول عالمپوری تے خواجہ غلام فرید رحمہم اللہ ورگے اُچ پدھرے سوجھوان شاعراں اپنی سوچ دے وَن سَونّے بوٹے لائے ۔ ایہناں ای مہان کوی شاعراں وچ اک ناں میاں محمد بخش رحمہ اللہ ہوراں دا وی اے ۔

میاں محمد بخشؒ تے علامہ محمد اقبالؒ دوویں پنجاب دی سدا سہاگن دھرتی دے پتر نیں ۔ دوویں

---

☆ ۔ لیکچرار شعبہ پنجابی، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔

اکو ویلے شعر وادب دی سیوا کردے رہے۔ ایہناں دا سماں بھاویں اِکو ای اے پر میاں محمد بخشؒ، علامہ محمد اقبالؒ توں عمر وچ چوکھے وڈے سن۔ آپ ۱۸۳۰ء نوں چک ٹھاکرہ (کھڑی شریف) ضلع میرپور (آزاد کشمیر) وچ پیدا ہوئے۔(۱) جدکہ علامہ محمد اقبالؒ نے نومبر ۱۸۷۷ء نوں سیالکوٹ وچ جنم لیا۔ ایہناں دے والد شیخ نور محمدؒ سلسلہ قادریہ وچ بیعت سن تے علامہ محمد اقبالؒ وی بچپن توں ای ایسے سلسلے نال جُڑ چکے سن (۲)۔

دوواں شاعراں وچ اک قدرِ مشترک کشمیر دے حوالے نال بندی اے۔ میاں محمد بخشؒ کشمیر دے خطے وچ پیدا ہوئے تے علامہ محمد اقبالؒ دے بزرگ کشمیر توں ہجرت کر کے سیالکوٹ آ وَسے سن۔ اقبالؒ نوں کشمیر دی دھرتی نال خاص لگاؤ سی۔ غاصب تے ظالم حاکماں دے قبضے توں بعد ایہہ لگاؤ جذباتیت دیاں حداں النگھ گیا سی۔

پنجاب دی دھرتی ایس گلوں بھاگاں بھری اے جے ایس دھرتی تے اِکو سمے دو اجیہے مہان شاعر گذرے جنہاں دا کلام شعری حسن تے فکری بلندی توں وکھ، مٹھاس تے اثر پاروں ادبی دنیا وچ اک نویکلا تے اُچیرا تھاں رکھدا اے۔ دو وکھو وکھ زباناں وچ لکھن دے باوجود وی ایہناں دوواں وچکار ودھیریاں گلاں سانجھیاں نیں۔ جیویں علامہ اقبالؒ آپوں ''Stray reflections'' وچ لکھدے نیں:

> ''کوئی قوم اہلِ جرمن کے برابر خوش نصیب نہیں۔ اس قوم میں ہائینے جیسا شاعر اس وقت پیدا ہوا جب گوئٹے کی بھرپور نغمہ سرائی سے فضا معمور تھی۔'' (۳)

ایہو گل میاں محمد بخشؒ تے علامہ محمد اقبالؒ دے حوالے نال وی کیتی جاسکدی اے، اینی گل ضرور اے کہ جدوں اقبالؒ نے اکھ کھولی تاں میاں محمد بخشؒ دی سیف الملوک (جہڑی میاں محمد بخش ہوراں ۱۸۶۳ء وچ چھپوالتی سی) دے شعر پنجاب وچ عام ہو چکے سن۔ علامہ محمد اقبالؒ ایہناں شعراں دی چاشنی نوں کناں وچ وساندے وساندے جوان ہوئے۔ پنجاب دے ایہناں دو سپتراں دیاں سوچاں تے خیالاں وچ جہڑی سانجھ ملدی اے اوہدے پچھے بعض معاشرتی، سیاسی تے جغرافیائی عوامل موجود نیں، پر ایہناں عوامل وچ وڈا دخل اوس ماحول نوں حاصل اے جہڑا بچپن وچ ایہناں دوواں نوں کسے حد تیک اِکو جیہا ملیا۔ یعنی ایہناں دوواں نوں گھر وچ خالصتاً اسلامی ماحول ملیا تے

ایسے دی چھتر چھاویں اوہ پلے وڈّھے۔ میاں محمد بخشؒ اک صوفی خانوادے نال تعلق رکھدے نیں۔ اوہناں دے والد میاں شمس الدین قادریؒ، پیرے شاہ غازیؒ (دمڑی والی سرکار) دے گدی نشین سن۔ میاں محمد بخشؒ، پیرے شاہ غازیؒ دے مزار تے جھاڑو دیندے ہوندے سن۔ خواب وچ اوہناں نے میاں محمد بخشؒ نوں اپنا مرید بنایا تے خلافت عطا کیتی (۴) گویا فقر تے درویشی اوہناں دا ورثہ سی۔ دوجے پاسے علامہ محمد اقبالؒ دے والد شیخ نور محمدؒ باقاعدہ صوفی تاں نہیں سن پر اوہناں دی بیعت ثابت اے۔ اوہ بڑے دیندار، نیک طبع، احکامِ شریعت دے پابند، اللہ تے اوہدے رسول ﷺ نال سچا پیار کرن والے منکھ سن۔ اقبالؒ دی والدہ امام بی بی راتاں نوں جاگ کے قیام کرن والی خاتون سی، جہناں دی وفات اتے نوحہ لکھدیاں اقبالؒ فرماندے نیں:

خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا !!

اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا (۵)

فیر میر حسن جیہے نیک تے پارسا استاداں نے ننھے اقبالؒ دے دل وچ عشقِ رسول ﷺ دا اجیہا چراغ بالیا کہ ایہہ ننھی جیہی چنگاری ''نیستاں'' نوں چانن دین دے قابل ہوگئی۔

اسلام دے اثر ہیٹھاں ایہناں ہر دو شاعراں وچکار پہلی ملدی ہوئی قدر ای دراصل عشقِ رسول ﷺ دا اظہار اے۔ عشقِ رسول ﷺ ای اوہ جذبہ اے جیہڑا کسے وی مسلمان دے دل نوں حقیقت دا رستہ دیندا اے تے ایہو جذبہ اوہنوں نہ صرف ایس حیاتی وچ رہن سہن تے ملن ورتن دے سُچجے ڈھنگ سکھاندا اے سگوں اللہ تعالیٰ تیک اپڑن لئی راہواں وی کھول دیندا اے۔ ایہہ جذبہ ہر قسم دے حالات نوں برداشت کرن تے ہر طرح دے حالات دا مقابلہ کرن داول سکھا کے مسلمان نوں اپنی منزل ول ٹرے رہن دا درس دیندا اے۔ ایہو وجہ اے کہ علامہ محمد اقبالؒ تے میاں محمد بخشؒ دے افکار کسے مرحلے وچ وی کم ہمتی، مایوسی، ناکامی تے نامرادی دا پرچار نہیں کردے، سگوں امید و رجا اوہناں دا خاصہ اے۔ عشقِ رسول ﷺ دا اظہار میاں محمد بخشؒ دیاں کتاباں ''تحفہِ رسولیہ'' تے ''تحفہِ میراں'' وچ واضح طور تے نظر آندا اے پر اوہناں اپنی ہر داستان دا مڈھ حمد تے نعتِ سرکارِ دو عالم ﷺ توں بنھیا اے تے علامہ محمد اقبالؒ دے کلام وچ تھاں تھاں تے سیرتِ رسول ﷺ تے خُلقِ رسول ﷺ دے نمونے وکھالی دیندے نیں۔ دوواں دے عشقِ رسول ﷺ دا اک اک شعر بطورِ نمونہ

پیش کیتا جاندا اے:

(اقبالؒ): لوح بھی تو ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ ، ترے محیط میں حباب

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو مارا منزلِ نیست

(میاں محمد بخشؒ): واہ کریم امت دا والی مہر شفاعت کردا
جبرائیل جیہے جس چاکر ، نبیاں دا سر کردا
اوہ محبوب حبیب ربانا ، حامی روز حشر دا !
آپ یتیم ، یتیماں تائیں ہتھ سرے پر دھردا!

ایہناں دوواں شاعراں نے جیس دور وچ شاعری دا مڈھ بنھیا ، اوہ مسلماناں لئی چنگا نہیں سی ۔ اک پاسے ترکی دی خلافت ڈانواں ڈول سی تے دوجے پاسے ہندوستان وچوں مسلماناں دی صدیاں پرانی حکومت دا چراغ گل ہو چکیا سی ۔ ایتھے انگریزاں ہولی ہولی اپنے پَیر پکے کر کے مسلماناں اتے ظلم وستم دیاں حداں مکانیاں شروع کر دتیاں سن ۔ عام تے غریب لوک عجیب کشمکش دا شکار سن ۔ مسلمان خاص طور تے بے یقینی دی کیفیت نال ساویں (دوچار) سن ۔ اوہناں نوں سمجھ نہیں آ رہی سی کہ اوہ اپنی گواچی ہوئی شان وشوکت کیویں حاصل کرن ۔ میاں محمد بخشؒ دے جنم ویلے پنجاب وی اک طرح دی افراتفری دا شکار سی ۔ اوہناں اپنی حیاتی وچ پنجاب اتے انگریزاں دا قبضہ مکمل ہوندیاں ویکھیا سی تے فیر کشمیر اتے ڈوگرہ حکمراناں دے ظلم وستم وی اپنیاں اکھاں نال ویکھے ۔ ضمنی طور تے ایہہ وی دسدے چلیئے کہ میاں محمد بخشؒ دا کشمیر نال صرف خاندانی تعلق ای نہیں سی سگوں اوہناں روحانی فیض حاصل کرن لئی کشمیر دا دورہ وی کیتا سی ۔ ڈاکٹر سید اختر جعفری لکھدے نیں کہ:

''اوہ (میاں محمد بخشؒ) اپنے دادا مرشد حضرت بدوح شاہؒ دے حکم نال کشمیر گئے جتھے حضرت احمد ولیؒ توں فیض حاصل کیتا ۔ شیخ نورالدین ولیؒ دے مزار توں ہوندے ہوئے درگاہ حضرت بل اُتے حاضری ولی تے حضور علیہ

الصلوۃ والسلام دے وال مبارک دی زیارت کیتی ۔ فیر شیخ حمزہ مخدومؒ تے
حضرت سعید نقشبندؒ دے مزاراں اُتے حاضری دے کے گلمرگ وچ حضرت بابا
پیام الدین ریشیؒ دے دربار تے آ گئے ۔ اوتھے کجھ عرصہ قیام توں بعد مظفرآباد
ولوں ہوندے ہوئے واپس کھڑی شریف آ گئے''۔(۶)

ایس سفر دے دوران میاں محمد بخشؒ نے غریب لوکاں تے غیر ملکی حاکماں دے تشدد، استحصال
تے ظلم وجبر دیاں بے شمار مثالاں اپنیاں اکھاں نال ویکھیاں جیس پاروں اوہناں دے اندر
دا حساس شاعر خون دے اتھرو وگان تے مجبور ہو گیا۔ ایسے دُکھ تے کرب نے اوہناں دے قلم توں
''سیف الملوک'' ورگا شاہکار تخلیق کرایا۔ ڈاکٹر اسلم رانا مرحوم دے خیال وچ:

''اپنے ہم مذہباں تے عام لوکائی اُتے دکھ، درد، جبر تے کرب دی
ہنیری ورھدی ویکھ کے اوہناں نے ایس نوں تخلیقی سطح تے محسوس کیتا ۔ فیر ایس
احساس نوں سیف الملوک دی استعاراتی تے علامتی داستان دے ذریعے
جدوجہد، مسلسل عمل تے منزل دے حصول دی داستان بنا کے پیش کیتا''۔(۷)

ایہہ گل حقیقت دے بوہت لاگے اے جے میاں محمد بخشؒ نے ''سیف الملوک'' وچ استعاراتی
طور تے کشمیر دے وسنیکاں نوں جدوجہد دی تحریک دتی۔ داستان وچ ''بدیع الجمال پری'' دراصل سیاسی
آزادی تے معاشی خوشحالی دی اوہ علامت اے جیس نوں حاصل کرن واسطے ''سیف الملوک'' تے
اوہدے لشکراں دے روپ وچ مقامی قوتاں جدوجہد کر دیاں نیں تے راہ وچ آن والیاں ظالم طاقتاں
دے خلاف جہاد کر دیاں نیں ۔ ایس طرح سیف الملوک اپنی بدیع الجمال (آزادی دی منزل) لئی جھڑی
تھکا دین والی تے لمی جدوجہد کردا اے، اوہوای اصل وچ سیف الملوک دا مرکزی نقطہ اے۔ پر اسلم رانا
مرحوم دی اُپر والی گل نوں ہور اَگے ودھائیے تے اسیں ایہہ وی آکھ سکنے آں کہ میاں محمد بخشؒ نے صرف
ہندی مسلماناں دے دُکھاں نوں ای محسوس نہیں کیتا سگوں اوہدے پردے وچ پوری اُمتِ مسلمہ دے
دُکھاں دَرداں دا علاج وکھالی دیندا اے۔ ایسے پچھوکڑ وچ جدوں علامہ محمد اقبالؒ دی شاعری دا جائزہ لینے
آں تے ایہہ گل چٹے دن وانگوں وکھرو جاندی اے کہ اوہناں مسلماناں دی بے کسی والی حالت تے مظلومیت
نوں اپنے دل تے محسوس کیتا۔ فیر اوہ کشمیری تے پنجابی مسلماناں دے درد نوں کیویں وسار سکدے سن:

(اقبالؒ)۔ تنم گلے ز خیابانِ جنت کشمیر!!!
دل از حریمِ حجاز و نوا ز شیراز ست

پر اسلام دے سچے تے سچے پیغام نے ایہناں دوواں دے دِلاں نوں اپنا مضبوط تے عشقِ رسول ﷺ نے ایہناں دے یقین نوں اپنا پختہ کردتا سی کہ اوہ مایوسی دی تعلیم دین دی تھاں امید تے آس دا سنیہا اپنی قوم نوں دیندے نظر آندے نیں۔ ہیٹھلے شعر ساڈی گل دے ثبوت لئی کافی نیں:

(میاں محمد بخشؒ) مردا ہمت ہار نہ مُولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا

(اقبالؒ)۔ رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

ہر شاعر دا کوئی نہ کوئی ''ذہنی ہیرو'' ضرور ہوندا اے۔ اردو شاعراں دے ذہنی ہیرو دا تاں اَج تک مہاندرا سامنے نہیں آیا، پر علامہ محمد اقبالؒ دا ہیرو اِک اجیہا ''مردِ مومن'' اے جیہڑا ایس دنیا دیاں فانی لذتاں دی بجائے اللہ تعالیٰ نال دل لگاندا اے تے اوہدا عشق اوہنوں صرف اِکو محبوب دا پیار سکھا کے اوہدا ای ہو جان دا وَل سکھاندا اے۔ اقبالؒ نے ایس تصور نوں ''شاہین'' دے علامتی حوالے نال پیش کیتا اے۔ شاہین اِک پرندہ اے جہدیاں صفات دوجے پرندیاں نالوں وکھریاں نیں۔ اوہ بہادر اے، خوددار اے، گھونسلہ نہیں بناندا، اپنا شکار خود مار کے کھاندا اے یعنی کسے دا احسان نہیں لیندا تے نہ ای مردہ شکار کھاندا اے۔ اوہدی اک صفت یعنی خونخواری نوں چھڈ کے باقی ساریاں صفتاں اک مومن بندے نال ملدیاں نیں۔ دوجے پاسے میاں محمد بخشؒ دا ہیرو ''سیف الملوک'' وی علامتی طور تے اوسے ای مردِ مومن دا نقشہ پیش کردا اے جیہڑا نقشہ اقبال دا شاہین۔ ایہہ دوویں ہیرو عزم، ارادے، حوصلے، صبر واستقلال تے جرأت وہمت دے پیکر نیں۔ سیف الملوک اک تصویر ویکھ کے عاشق ہو جاندا اے، اوہدی جدائی وچ اوہ ہر ویلے غمگین تے اک کھونجے لگ کے روندا رہندا اے۔ سیف الملوک دے ایس روپ وچ کشمیر تے پنجاب دے مسلماناں دی حالتِ زار صاف ویکھی جا سکدی اے۔ دوجے پاسے علامہ اقبالؒ دے شعراں وچ وی ایہہ تصویراں تھاں تھاں تے اپنا رنگ

وکھالدیاں نیں۔علامہ اقبالؒ اعلیٰ تعلیم حاصل کرن لئی لندن گئے تے یورپی مفکرین دا مطالعہ کرن دے نال نال کئی مفکراں نال باقاعدہ ملے۔اوہناں لندن دی ظاہری ترقی داوی مشاہدہ کیتا۔پر ایس ترقی دی روشنی علامہ اقبالؒ دیاں اوہناں اکھاں نوں خیرہ نہ کرسکی،جیہناں وچ ''خاکِ مدینہ ونجف'' دا سُرمہ سی۔ایس یورپی مطالعے تے مشاہدے توں بعد وی علامہ اقبالؒ نے روحانیت واسطے جے اپنا رہنما منتخب کیتا تے اوہ کوئی لندن دا ادیب یاں جرمنی دا مفکر نہیں،سگوں اک سچا مسلمان صوفی اے،جہدا ناں مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اے۔اقبالؒ چنگی طرح جاندے نیں کہ شبانی توں کلیمی تک دا سفر کسے نہ کسے رہبر دی لوڑ دا تقاضا کردا اے۔ایس لئی اوہناں مولانا رومیؒ نوں اپنا روحانی مرشد منیا:

(اقبالؒ) پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد

از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

پیرومرشد دی لوڑ تے اہمیت بارے میاں محمد بخشؒ ہوراں دے وچار کجھ انج داروپ وٹاندے نیں۔

(میاں محمد بخشؒ) پیر مرا اے دمڑی والا پیرا شاہ قلندرؒ

ہر مشکل وچ مدد کردا دوہاں جہاناں اندر

جتھے ایہہ دوویں شاعر انسان خاص طور تے مسلماناں نوں ایس حیاتی وچ جدو جہد دا درس دیندے نیں،اوتھے روحانی ترقی لئی وی ہر پل تے ہر لحے عمل تے کوشش دی تعلیم دیندے نیں۔ ایہناں دوواں دے نزدیک مسلمان دی حیاتی ایس ''دنیائے آب و گِل'' نال جڑی ہوئی نہیں سگوں اوہدی منزل ''چرخِ نیلی فام'' توں بوہتی اُگیرے اے۔ایتھے اَپڑ کے ایہہ دوویں تصوف دی روشنی وچ اگانہہ قدم ودھاندے نیں۔بعض لوک علامہ محمد اقبالؒ نوں صوفیاء تے تصوف دے خلاف سمجھدے نیں پر ایہہ گل حقیقت نال لگا نہیں کھاندی۔البتہ اوہ جھوٹھے،بناوٹی تے نفس پرست پیراں دے واقعی خلاف نیں،کیوں جے اوہ بے عملی تے تساہل نوں ہڈ دں پسند نہیں کردے۔پَر ایہدا ایہہ مطلب نہیں کہ اوہ پیراں فقیراں دے ای خلاف نیں،سگوں اوہناں دے کلام وچ سوہنے نبی ﷺ دی نعت توں علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ،حضرت بلالؓ،حضرت علیؓ،حضرت فاطمہؓ،حضرت امام حسینؓ،حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ،حضرت نظام الدین اولیاءؒ،شاہ شرف پانی پتیؒ،حضرت میاں میرؒ تے ہور کئی اولیائے کرام دیاں منقبتاں ملدیاں نیں۔علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ دی منقبت وچوں اک شعر انج اے:

سیّد ہجویر مخدومِ اُمم
مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم

تصوف دے حوالے نال اسیں ایہہ دسنا چاہنے آں کہ اقبالؒ نہ تے صوفیاء دے خلاف نیں تے نہ ای تصوف دے، پر اقبالؒ ایہدے وچ وی جہدِ مسلسل دے قائل نیں۔ اقبالؒ دا مرکزی ہیرو ای دراصل اوہ مومن اے جیہدی قرآن پاک وچ اللہ تعالیٰ تعریف فرماندے نیں۔ علامہ محمد اقبالؒ تے میاں محمد بخشؒ دوویں ای تصوف دی ایس دنیا وچ عقل دی تھاں عشق تے سرمستی نوں اچیچ دیندے نیں۔ اقبالؒ دے بعض نقاد بغیر سوچے سمجھے اوہنوں عشق دا وی دشمن قرار دے دیندے نیں۔ جیہڑی سراسر خود فریبی والی گل اے۔ بھاویں اقبالؒ اپنی فکری دنیا وچوں عقل نوں اک ٹک خارج کر دین دا قائل نہیں پر اوہ ایہہ گل جاندا اے کہ عقل صرف اک حد تک انسان دی رہنمائی کرسکدی اے۔ ڈاکٹر وزیر آغا ''عقل وعشق'' دے ایس سرناویں اتے لمی چوڑی بحث توں بعد اخیر ایس سٹے اتے اپڑدے نیں:

''عقل زمان ومکان میں مقیّد ہے اور اس لئے مرورِ زماں کی بجائے وقت کے سلاسل میں جکڑی ہوئی ہے جبکہ دل زمان ومکان سے ماوراء ہے، وہ تو ربِّ جلیل کا عرش ہے۔ مختصراً یہ کہ عقل کی تگ ودتاز صرف ایک خاص حد تک ہے۔ اس مقام سے آگے عقل کے پر جلتے ہیں مگر عشق کی جست بے کراں ہے اور وہ آنِ واحد میں ہر شے پر محیط ہو جاتا ہے''۔ (۸)

(اقبالؒ) عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

ایسے ضمن وچ ڈاکٹر سید عبداللہ ہوری ''مسائلِ اقبال'' وچ انج لکھدے نیں:

''ایک زمانہ تھا جب اقبالؒ صوفیوں کے تصورِ وحدت الوجود سے متاثر تھے اور انسانی روح کے فراق زدہ ہونے پر اعتقاد رکھتے تھے مگر بعد میں رفتہ رفتہ ان کا یہ عقیدہ جاتا رہا اور خودی کی تنظیم میں مادیّت کے مستقل وجود کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگ گئے۔ تاہم بعد میں ان کے اشعار میں صوفیوں کے احساسِ جدائی کا تصور کہیں کہیں نظر آ جاتا ہے''۔ (۹)

جتھوں تیک ڈاکٹر وزیر آغا دے تجزیئے دا تعلق اے، اسیں سمجھنے آں جے اوہ علامہ محمد اقبالؒ دے تصورات دی بالکل سچی عکاسی کردے نیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دی ذات لامحدود اے تے اوہنوں پان لئی لامحدود جذبے دی لوڑ اے تے اوہ جذبہ عشق دی رہنمائی نال حاصل ہوندا اے جیہڑا بے خطر اُگ وچ چھال ماردیندا اے، عقل دی طرح ''لب بام'' تماشا ای نہیں ویکھدا رہندا۔ پر ڈاکٹر عبداللہ ہوراں دی تحریر کسے حد تیک تضاد دا شکار نظر آندی اے۔ غالباً اوہ اقبالؒ دے نظریاتِ تصوف نوں جدلیاتی طرزِ فکر نال جانچن دا آہر کررہے نیں۔ پر آخر تے ''کہیں کہیں'' دا لفظ ڈاکٹر صاحب دے اقبالؒ بارے اپنے قلبی رجحان دی چغلی کھاندا نظر آندا اے۔

اسیں ایتھے مختصر طور تے ایہہ وی دسدے چلیئے کہ تصوف ہے کیہ؟ ایہہ کوئی خیالی منطق یاں فلسفیانہ موشگافیاں دا ذہنی سٹہ نہیں کہ جیہدے وچ وقت دی تبدیلی نال تبدیلی آندی چلی جائے، سگوں ایہہ تے قرآنِ پاک دی روح نوں سمجھ کے اوہدے اتے عمل کرن دا دوجا ناں اے۔ انسان نوں اللہ نے دنیا وچ اپنا نائب بنا کے اوہنوں بڑے بلند درجے عطا فرمائے نیں۔ درجے تاں بعد دی گل اے سگوں اوہنوں بنایا ای سب توں سوہنا تے دلکش اے۔ اوہدے لئی ''احسنِ تقویم'' دے الفاظ استعمال فرمائے نیں۔ اللہ تعالیٰ پوری کائنات وچ سب توں ودھ کے بندے نال پیار کردا اے پر ایہہ تقاضا وی کردا اے کہ بندہ وی محض اوہدے نال ای پیار کرے۔ جے اوہ کسے ہور نال پیار کرے گا تے اللہ تعالیٰ ایس نوں سخت ناپسند کردا اے۔ جدوں بندہ سچے سائیں ول چلنا شروع کرے گا تے دل وچوں دنیا دی محبت بالکل کڈھ کے سُٹے گا۔ ہولی ہولی اوہنوں پتہ چلدا جاوے گا کہ اللہ تعالیٰ ای حقیقتاً اوہدے لئی سب کجھ اے، اوہدے دل وچوں فیر نفس تے دنیا کیہ، آخرت دی محبت وی نکل جائے گی یعنی اوہ بندہ جنت دی تھاں وی صرف اپنے ربّ نال پیار کرن لگ پئے گا۔ اللہ ول چلن دا ایہہ سفر کوئی سوکھا نہیں، ایہدے لئی رہنمائی دا کم وی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندیاں دے ای سپرد کیتا ہویا اے۔ پر صرف اوہ بندہ رہنمائی دا فریضہ سرانجام دے سکدا اے جیس نے ''خود'' نوں درست کیتا ہویا اے۔ قرآن پاک نے فرمایا:۔

''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى''۔

ترجمہ:۔ فلاح پائی اوہنے جیہنے اپنے (اندر) نوں صاف کرلیا۔

اسیں جانئے آں کہ نبی مکرم ﷺ ہر عیب، برائی، خواہشِ نفس تے دنیاوی لذتاں توں پاک نیں۔ آپ ﷺ دی محبت صرف تے صرف اپنے ربّ سچے نال اے۔ اَگوں آپ ﷺ نے اپنی تعلیم نال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نوں پاک فرمایا۔ فیر ایہہ سلسلہ تابعین تے تبع تابعین رحمہم اللہ تک اپڑیا۔ اخیر جدوں مسلمان دنیاوی محبت وچ پے کے جائیداداں، روپے پیسے دی دوڑ وچ لگ گئے تے نیک لوکاں شہراں توں ہجرت کر کے پنڈاں وچ وسوں کرلئی تاں اوہناں دے چاہن والے اوتھے ای اوہناں کول جا اپڑدے سن۔ ایہہ رہبانیت نہیں سی سگوں گھٹ دنیا کمان دا اِک بہانہ سی۔ البتہ ایسے بندے دی وفات توں بعد خانقاہی نظام کدرے کدرے اِک پیشے دی شکل اختیار کر دا گیا تے ''زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن'' والا حساب ہوگیا۔ ایہدا ایہہ مطلب ہرگز نہیں بندا کہ اللہ دا اوہ بندہ جیہنے خودنوں پاک کیتا تے خلقِ خدا دی رہنمائی کردا رہیا، اوہدے مقام و مرتبے وچ ایہدے نال کوئی فرق آجاندا اے، کیوں جے ہر کسے نے اپنے عملاں دا حساب دینا ہوندا اے۔

یونانی کتاباں دے عربی وچ ترجمے ہوئے تے فلسفیانہ وچار عام ہون لگ پئے، دوجے پاسے اہلِ تصوف دے خیالات کھنڈن لگے تے کم علم لوکاں ایہناں وچاراں دی اپنے ذہن دے مطابق تشریح شروع کردتی۔ جیہدے نال عام مسلماناں دے گمراہ ہون دا خطرہ سی۔ ایس لوڑنوں لکھ رکھدیاں سمجھدار تے عالم مسلماناں نے علمِ تصوف دی تشریح قرآن پاک تے سیرتِ رسول ﷺ دی روشنی وچ کیتی۔ ایس سلسلے دے سب توں وڈے شارح شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نیں۔ جیہناں دیاں کتاباں ''فتوحاتِ مکیہ'' تے ''فصوص الحکم'' بڑیاں مشہور ہوئیاں۔ تصوف دے دوجے مُڈھلے شارحین وچ حضرت جنید بغدادی، بایزید بسطامی، ابوالحسن نوری تے علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہم اللہ مشہور نیں۔

اسیں میاں محمد بخشؒ تے علامہ محمد اقبالؒ دے حوالے نال اک ''کامل بندے'' بارے گل کر رہے ساں۔ مردِ مومن، مومنِ کامل، صوفی، درویش یاں فقیر ایسے ای بندے دے مختلف ناں نیں۔ ربّ دے ایس بندے دے مقام و مرتبے دا گویڑ ایس حدیثِ قدسی توں سوکھا ہو جاندا اے:

ترجمہ:۔ ''جیہڑا بندہ نوافل دے ذریعے میرا قرب حاصل کردا اے، میں اوہدی اَکھ بن جاناواں، میرے نال اوہ ویکھدا اے۔ میں اوہدی زبان بن جاناواں،

اوہ میرے نال بولدا اے۔ میں اوہدے کن بن جاناواں، اوہ میرے نال سندا اے۔ میں اوہدے ہتھ بن جاناواں، اوہ میرے نال پکڑدا اے......الخ''۔(۱۰)

علامہ محمد اقبالؒ تے میاں محمد بخشؒ ایسے ای تصوف دے قائل نیں۔ اوہ اوس بندے دی قدم قدم تے وڈیائی کردے نیں جیہنے اپنے دل نوں رب سچے نال لالیا ہویا اے۔ اقبالؒ ''وحدت الوجود'' اُتے زور دیندا اے یاں ''وحدت الشہود'' تے، ایہہ اِک وکھری بحث اے، پر تصوف اوہناں دا پسندیدہ موضوع اے۔ ایس معاملے وچ ایہہ دوویں شاعر عشق نوں عقل اُتے ترجیح دیندے نیں۔ آصف علی چٹھہ اپنے اک مقالے ''میاں محمد بخشؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے ہاں فکری مماثلت'' وچ لکھدے نیں کہ میاں محمد بخشؒ عشق دی گل کردیاں کئی واری اقبالؒ توں وی اگے لنگھ جاندے نیں۔(۱۱) مطالعہ کیتیاں ایہہ گل وی حقیقت نال اینا سانگا نہیں رکھدی، کیوں جے ایہہ دوویں شاعر عشق دے مانی نیں۔ ایہناں دے نزدیک عقل ناپائیدار اے، عارضی اے تے منزل تک نہیں اپڑا سکدی، پر عشق بیکراں اے، لامحدود اے، اوہ منزل اُتے اپڑے بنا چین نہیں لیندا، اوہ راہ دیاں اوکڑاں دی ذرہ بھر پروا نہیں کردا، اوہدی راہ وچ اَگ دے بھانبڑ بلدے ہون، اوہدی چھری تھلے اپنا ای پتر آجائے، اوہنوں آرے نال چیر دتا جائے، طائف دا میدان ہووے یاں کربلا دے تپدے ریگستان، اوہ کسے لحے وی پچھے نہیں ہٹدا۔ علامہ محمد اقبالؒ عشق نوں علم دے مقابلے تے وی ہمیشہ اچیچ دیندے نیں تے عالم (ایتھے عالمِ ظاہر مراد اے) دے مقابلے وچ عاشق نوں اہمیت دیندے نیں۔ اوہ ظاہری عالم نوں ''کرگس'' تے عاشق نوں ''شاہین'' آکھ کے انج اپنے وچاراں دا وکھالا کردے نیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

آصف علی چٹھہ ہوراں دی گل کیس حدتیک درست اے میاں محمد بخشؒ تے علامہ محمد اقبالؒ دے ایتھلے شعر پڑھ کے اسیں گویڑ کر سکنے آں۔ علامہ اقبالؒ فرماندے نیں:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ﷺ ، عقل تمام بولہب

عقل دی اہمیت اوہناں دی نظر وچ اینی کو اے کہ:

عقل کو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

تے ہن پنجابی زبان دے مان تران میاں محمد بخشؒ دی زبانی عشق دی لوڑ بارے سنو، جہڑے آصف علی چٹھہ دے بقول بے عشق انسان نوں انسانیت دے دائرے وچوں ای خارج کر دیندے نیں:

جیہناں عشق خرید نہ کیتا ، ایویں آ بھگتے
عشقے باجھ محمد بخشا کیا آدم کیا کتے
جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اس تھیں چنگے
مالک دے در راکھی کردے صابر بھکھے ننگے

ہن علامہ محمد اقبالؒ دی زبانی عشق رکھن والے بندے بارے وی سن لئو تے ایہہ وی ویکھو کہ اللہ دی راہ وچ ٹرن والے دی کیہ اہمیت اے:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات ، موت ہے اس پر حرام
خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

میاں محمد بخشؒ اجیہے بندے نوں نصیحت ایہناں اکھراں وچ کردے نیں:

جے توں طالب راہ عشق دا ، چھڈ وہماں وسواساں
ہمت دا لک بنھ محمد ، رکھ آساں پیا پاساں
مردا ہمت ہار نہ مولے مت کوئی کہے نمردا
ہمت نال لگے جس لوڑے پائے باجھ نہ مردا

عشق دیاں دوجیاں منزلاں نوں میاں محمد بخشؒ نے مختلف صفتاں دے روپ وچ ظاہر کیتا اے۔ اوہناں استغنا، توحید، حیرت تے فقر دے وکھو وکھ درجیاں دے حوالے نال گل کیتی اے۔ ایہہ صفتاں اودوں ظاہر ہوندیاں نیں جدوں انسان نوں فقر دا اعلیٰ مقام عطا ہو جاندا اے۔ میاں محمد بخشؒ کول ایہناں منزلاں دا ویروا الگ الگ کیتا گیا اے:

سدا سکھالے اوہو بھائی عشق جہناں گھٹ آیا
مرہم پھٹ اوہناں دے بھانے اکو جیہا سکھایا۔(عشق)

مناں منی کجھ رہندی ناہیں کوئی کہاوے کس دا
جے کر اس ول تکئے ، اگوں اپنا آپ اے دِسدا۔(توحید)

جے کر اس توں پچھے کوئی ، ہیں توں یا ں نہیں ہیں
اندر ہیں یا باہر بیٹھا ، ایتھے یا کہیں ہیں
کہندا اصلی خبر نہ مینوں ، بیٹھا یا کھلویا
عاشق ہاں پر پتہ نہ رہیا کس پر عاشق ہویا۔(حیرت)

فرموشی دی منزل ہوئے گنگے ، ڈورے ، جھلے
جاں ہک سورج روشن چڑھیا ، سبھ تارے چھپ چلے
توڑے کجھ نہ معلم اس دا ، تھاں ٹکانا پاسا
چھڈ دنیا پَو لہر فقر دی ، رکھ ملن دی آسا۔(فقر)

اصل وچ فقر دی آخری منزل اوہ اے جتھے فنا دا وی مکا ہو جاندا اے، اوتھوں بقا باللہ دی منزل شروع ہوندی اے تے بقول حضرت سچل سرمستؒ:

؎ جوئی نال ہک یار دے ہک ہوئی

اُپر والیاں منزلاں نوں علامہ محمد اقبالؒ ''خودی'' دے حوالے نال کھول کے بیان کردے

نیں۔اوہناں کول خودی اصل وچ فنا دی اوہوای منزل اے جتھے اپنی پچھان مکمل ہوجاندی اے:

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم۔(عشق)

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا۔(توحید)

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!۔(حیرت)

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ۔(فقر)

اجیہے مردِ مومن بندے دی تعریف ساڈے ایہہ دوویں شاعر اپنے اپنے اُکھراں وچ کردے نیں۔ پِچھلے شعراں وچ مومن دی طاقت تے شان دا اظہار کیتا گیا اے۔علامہ محمد اقبالؒ لکھدے نیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تے ایس بارے میاں محمد بخشؒ فرماندے نیں:

ہر مشکل دی کنجی یارو، ہتھ مرداں دے آئی

مرد نگاہ کرے جس ویلے ، مشکل رہے نہ کائی

ایس مختصر جیہی گل بات نال اسیں اپنے دو عظیم تے چوٹی دے شاعراں نوں زیر بحث لیاندا اے۔ سچی گل تاں ایہہ اے جے ایہہ دوویں پرگو شاعر نیں۔ ایس توں وکھ اوہناں دیاں فکری پرتاں نوں جے الگ الگ کوکھن لگئے تے ایہہ صفحے بہت تھوڑے ہون گے۔ بہر حال ایہہ حق سچ اے جے میاں محمد بخشؒ تے علامہ محمد اقبالؒ احساسات دی لمی چوڑی دنیا رکھن والے نیں۔ ایہہ مسلماناں دی حالت نوں کھلیاں اکھاں نال ویکھدے نیں تے اوہنوں کدے سدھے ساویں تے کدی رمز و ایماء تے استعاراتی زبان وچ بیان کردے چلے جاندے نیں۔ امید، آس تے رجا ایہناں دے خاص موضوعات نیں۔ تصوف دی دنیا دے ایہہ شہسوار مسلماناں نوں خاص طور تے دنیا دی بجائے اللہ سچے نال دل لان دا درس دیندے نیں۔ اینی گل ضرور اے کہ علامہ اقبالؒ ہوراں کول بحر تے وزن دا تنوع اے، اوہدے شعراں وچ رکھ رکھاؤ، شوخ پن تے طنز اے۔ اوہدے مقابلے وچ میاں محمد بخشؒ کول سادگی تے روانی اے۔ اقبالؒ ہوراں جیہڑے کم اپنی غزل تے نظم توں لئے نیں میاں محمد بخشؒ نے اوہو کم اپنیاں لمیاں لمیاں داستاناں توں لئے نیں۔ ایہہ نہیں کہ میاں محمد بخشؒ کول فنی لوازمات دا اہتمام نہیں، سگوں اوہناں نے اپنے کلام نوں علم بدائع تے دوجیاں فنی خوبیاں نال دی سجان دا آہر کیتا اے۔

اوہناں دی سادگی وچ پُرکاری دا عنصر واضح طور تے نظر آندا اے۔ چاشنی تے تاثیر دا ایہہ حال اے کہ جیہڑا بندہ پنجابی یاں اردو نال تھوڑی جنی وی شد بد رکھدا اے، میاں محمد بخشؒ دے کلام دی جادو نگری وچ گم ہو کے رہ جاندا اے۔ ایہہ دوویں سچے عاشق رسول نیں تے اسلام دیاں ازلی تے ابدی تعلیمات دے پرچارک وی۔ مکدی گل ایہہ کہ ساڈے ایہناں دوواں کوی شاعراں نے اپنے کلام وچ علم تے فضل دے اجیہے موتی کھلار دتے نیں کہ پنجاب دے واسی اپنے ایہناں شاعراں یعنی علامہ محمد اقبالؒ تے میاں محمد بخشؒ اُتے ہمیشہ ای مان کردے رہن گے۔

# حوالہ جات

۱۔ ہاشمی، حمید اللہ: پنجابی ادب دی مختصر تاریخ: لاہور، تاج بک ڈپو (س ن)، ص ۲۱۷۔

۲۔ صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر، پروفیسر: عروجِ اقبال، لاہور، بزم اقبال، طبع اول، جون ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۔

۳۔ جاوید اقبال، جسٹس، ڈاکٹر: شذراتِ فکرِ اقبال، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، طبع دوم، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۶۔

۴۔ پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، ص ۲۱۷۔

۵۔ محمد اقبالؒ، علامہ، ڈاکٹر: کلیاتِ اقبال اردو، حصہ بانگِ درا، لاہور، شیخ غلام علی پبلشرز، جنوری ۱۹۷۵ء، ص ۲۲۸۔

۶۔ اختر جعفری، سید، ڈاکٹر: حضرت میاں محمد بخشؒ کا سفرِ کشمیر، لاہور، ششماہی سنگر مال، شعبہ کشمیریات پنجاب یونیورسٹی، ج ۷، شمارہ ۱۴، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۳۔

۷۔ اسلم رانا، ڈاکٹر: رمز روائت، لاہور، عزیز پبلشرز، جولائی ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۰۔

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: تصوراتِ عشق و خرد (اقبالؒ کی نظر میں)، لاہور، زریں آرٹ پریس، طبع اول، ۱۹۷۱ء، ص ۹۸۔

۹۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر: مسائلِ اقبالؒ، لاہور، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی (بار دوم) جون ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۔

۱۰۔ مسلم شریف۔

۱۱۔ چٹھہ، آصف علی: میاں محمد بخشؒ اور علامہ اقبالؒ کے ہاں فکری مماثلت، لاہور ششماہی سنگر مال، شعبہ کشمیریات پنجاب یونیورسٹی لاہور، ج ۸، مسلسل شمارہ ۱۵، ۲۰۰۲ء، ص ۸۲۔

مترجم مولانا سید زوار حسین شاہ

## مکتوب چہارم

دربیانِ فضائلِ شہرِ عظیم القدر شہرِ رَمَضان وبیانِ حقیقتِ محمدی علیه وعلی آله الصلاة والسلام نیزبه پیر بزرگوار خود نوشته اند۔

**عرضداشتِ احقرالخدمه(۱)** آنکه مدّتے است که ازراهِ مفاوَضۂ شریفه از اَحوالِ خَدَمۂ آن عتبۂ عَلِیّه اِطّلاعے ندارد نگران میباشد قدومِ ماهِ مبارکِ رمضان مبارک باشد این ماه را با قرآن مجید که حاویِ جمیع کمالاتِ ذاتی وشیُونی است وداخلِ دائرۂ اصل است که ہیچ ظِلّیتے باوراه نیافته است وقابلیّت اولیٰ ظِلّ اوست مناسبتِ تمام است(۲) وبآن مناسبت نُزولِ آن دریں ماه واقع شده "**شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِی اُنزِلَ فِیهِ القُرآنُ**"۔

## چوتھا مکتوب

بڑی قدر وشان والے ماہِ مبارک ماہِ رمضان کی فضیلتوں کے بیان میں اور حقیقتِ محمدیہ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کے بیان میں یہ عریضہ بھی اپنے پیر ومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

**عرضداشت** : آنجناب کا کمترین خادم گذارش کرتا ہے کہ مدت سے حضور کا کوئی گرامی نامہ صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے اس بلند بارگاہ کے خادموں کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی، ہر وقت انتظار ہے۔ ماہِ مبارک رمضان شریف کا آنا مبارک ہو، اس مبارک مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی وشیونی کمالات کا جامع ہے اور اس دائرۂ اصل میں داخل ہے جس میں کسی ظلّیت وفرعیّت کو دخل نہیں ہے اور قابلیتِ اولیٰ یعنی حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ظِلّ ہے جس کو کامل مناسبت حاصل ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید کا نزول اسی ماہِ مبارک میں واقع ہوا ہے۔ "رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا"۔

---

۱۔ احقر الخدمه: خادموں میں سب سے کمتر۔ مفاوضه: واو کے زبر سے۔ یعنی خط، مکتوب، گرامی نامہ۔ عتبه: پہلے دونوں حروف پر زبر ہے، دروازے کے نیچے کی لکڑی یا دروازے کے اوپر کی (دہلیز، چوکھٹ)۔ قدوم: پہلے دونوں حروف پر پیش ہے، اس کے معنی ہیں آنا۔

۲۔ مناسبت تمام است ...... الخ: یعنی اس ماہ (رمضان) کو قرآن مجید سے مکمل مناسب اور کامل موافقت حاصل ہے۔

بمصداقِ این سخن است وبآن مناسبت این ماہ نیز جامع جمیع خیرات وبرکات است ہر برکتے وخیرے کہ در تمام سال بھر کہ میرسد از ہر راہ کہ می آید قطرہ ایست از دریائے بی نہایتِ برکاتِ این شہر عظیم القدر جمعیّتِ این ماہ سببِ جمعیّتِ تمامِ سال است وتفرقۂ این ماہ سببِ تفرقۂ تمامِ سال "فطوبیٰ لمن مضی علیہ ھٰذا الشھر المبارک ورضی عنہ وَوَیْلٌ لِمَن سَخط علیہ فمنع من البرکات وحرم من الخیرات"۔ وایضاً سنتِ ختم قران درین ماہ بواسطۂ آن تواند بود کہ تا جمیع کمالاتِ اصلی وبرکاتِ ظلی میسر شود(۱) "فمن جمع بینھما یرجی ان لا یحرم من برکاتہ ولا یمنع من خیراتہ"(۲)

میں اسی بات کا بیان ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ بھی تمام بھلائیوں اور برکتوں کا جامع ہے، جو برکت اور بھلائی تمام سال میں جس کسی شخص کو اور جس راستہ سے بھی پہنچتی ہے وہ اس عظیم الشان ماہِ مبارک کی برکتوں کے بے پایاں سمندر کا ایک قطرہ ہے اور اسی ماہِ مبارک میں دل جمعی کا حاصل ہونا تمام سال کی جمعیت حاصل ہونے کا سبب ہے اور اس ماہِ مبارک کا تفرقہ (انتشار و پراگندگی) تمام سال کے تفرقہ کا سبب ہے۔ "پس اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس پر یہ مہینہ اس حالت میں گزر گیا کہ وہ اس سے راضی و خوش ہوا اور اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس پر یہ مہینہ ناراض ہوا اور وہ شخص اس ماہِ مبارک کی خیرات و برکات سے محروم رہا"۔ اور ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کا ختم کرنا اس ماہ مبارک میں اسی لیے سنت ہوا ہو تاکہ تمام اصلی کمالات اور ظلّی برکات حاصل ہو جائیں پس جس نے ان دونوں (یعنی کمالاتِ اصلی و برکاتِ ظلّی) کو جمع کیا، امید ہے کہ وہ اس ماہ مبارک کی برکتوں اور نیکیوں سے محروم نہیں رہے گا۔

---

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) کہ وہ اس سے راضی و خوش ہوا، اور اس شخص کے لئے ہلاکت (افسوس) ہے جس پر یہ مہینہ ناراض گیا اور وہ آدمی اس ماہِ مبارک کی خیر و برکت سے محروم رہا۔

۱۔ جمیع کمالاتِ اصلی ...... الخ:۔ یعنی وہ تمام کمالات جو قرآن میں ہیں۔ وبرکاتِ ظلّی:۔ یعنی وہ برکات جو قرآن مجید کے اس ماہِ مبارک میں نازل ہونے سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ فمن جمع بینھما ...... الخ:۔ یعنی مطلب یہ کہ وہ شخص اس ماہ کی دونوں یعنی کمالاتِ اصلی اور برکاتِ ظلّی جمع کر لے تو امید ہے کہ وہ اس ماہِ مبارک کی برکات سے محروم نہیں رہے گا اور نہ ہی اس کی خیرات میں کوئی رکاوٹ ہوگی۔

برکاتیکہ بایام این شہر وابستہ اند دیگر اند و خیراتیکہ بلیالی آن متعلق اند دیگر واز جہتِ این سِرّ تواند بود کہ حکم باولویۃ تعجیلِ افطار(۱)وتاخیرِ تسحر(۲)بودہ باشد تا امتیاز تمام بین اجزاءِ الوقتین حاصل آید قابلیت اولی کہ بالا مذکور شد وحقیقت محمدی عبارت ازان است **علی مظہرھا الصلوات والتسلیمات** نہ قابلیت ذات است مراتصافِ جمیع صفات را کما حکم بعض(۳)

جو برکتیں اس ماہِ مبارک کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور جو برکتیں اس ماہِ مبارک کی راتوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ اور ہیں۔اور ہوسکتا ہے کہ روزہ کے افطار میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا افضل واولیٰ ہونے کا حکم اسی حکمت کی وجہ سے ہو، تا کہ دونوں وقتوں کے اجزا کے درمیان پوری طرح امتیاز حاصل ہوجائے۔قابلیتِ اولیٰ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حقیقتِ محمدی بھی کہتے ہیں (اس کے مظہر یعنی حضرت محمد ﷺ پر صلوات وتسلیمات ہوں) اس سے مراد ذات کی قابلیت تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ بعض صوفیائے کرام نے یہ حکم بیان کیا ہے۔

---

۱۔**حکم بِاَوْلَوِیَّتِ تعجیل افطار** ...... الخ: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یزال الناس بخیر ما عَجَّلُوا الفطر۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ خیر پر رہیں گے جب تک وہ روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ) یعنی وقت کے داخل ہونے کے یقین کے ساتھ اس کی تحقیق اور اس میں احتیاط کے بعد نہ کہ تردّد اور ظن وگمان کی حالت میں جلدی کریں۔جیسا کہ بعض اربابِ تکلف سنت سمجھ کر ایسا کرتے ہیں۔

۲۔**تاخیر تسحر** ......الخ: بخاری شریف میں حضرت انس، زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ تسحرنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم قام الی الصلوۃ قلت: کم کان بین الاذان والسحور ؟ قال: قدر خمسین اٰیۃ: (بخاری ۱۸۲۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے سحری کی، پھر آپ نے نماز کا قصد فرمایا، میں نے ان سے کہا: اذانِ فجر اور سحری میں کتنا فاصلہ تھا؟ انہوں نے فرمایا: پچاس آیتیں پڑھنے کی مقدار۔

۳۔ **کما حکم بعض** ......الخ :یعنی جس طرح صوفیائے کرام میں سے بعض حضرات نے حکم لگایا کہ قابلیتِ اولیٰ اور حقیقتِ محمد یہ سے مراد قابلیتِ ذات ہے خصوصی طور پر تمام صفات سے متصف ہونے کو یہ قول منفی سے متعلق ہے نفی سے نہیں۔

بلکه قابلیت ذات است عزّ سلطانه
مراعتبارِ علم را که متعلق شود (۱)
بجمیع کمالاتِ ذاتی وشیونی (۲) که
حاصل حقیقتِ قران مجید است
وقابلیت اتصاف که مناسبِ خانۂ صفات
است وبرزخ است(۳) میان ذاتِ جل
شانه وصفاتِ اوحقائق انبیاء دیگر است
علی نبینا وعلیهم الصلوات والتسلیمات
والتحیات ہمیں قابلیت بملاحظۂ اعتبارات که
مندرجه اند دروی حقائق متعدده گشته
قابلیتے که حقیقتِ محمدی است علیه
الصلوة والتحیة اگرچه ظلیت دارد امارنگِ
صفات باو ممتزج نگشته است وہیچ حائلی
درمیان نیامده وحقائق جماعۂ محمدی
المشرب قابلیاتِ ذات است عز شانه
مراعتبار علم را که متعلق شود

بلکہ ذاتِ عز شانہ کی قابلیت اس علم کے اعتبار سے
ہے جو کہ ان تمام ذاتی وشیونی کمالات سے تعلق
رکھتا ہے جو قرآن مجید کی حقیقت کا حاصل ہیں اور
قابلیتِ اتصاف جو کہ خانہ صفات کے مناسب
ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات اور صفات
کے درمیان برزخ ہے وہ دوسرے انبیاء علی نبینا
علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے حقائق
ہیں، یہی قابلیت ان اعتبارات کے لحاظ سے جو
اس میں مندرج (شامل) ہیں بہت سے حقائق
بن گئی ہے۔ وہ قابلیت جس کو حقیقتِ محمدی علیہ
الصلوۃ والتحیہ کہتے ہیں، اگرچہ ظلیت رکھتی ہے
(ظل آمیز ہے) لیکن صفات کا رنگ اس کے
ساتھ ملا ہوا نہیں ہے اور کوئی پردہ وواسطہ درمیان
میں حائل نہیں ہے اور محمدی المشرب جماعت
کے حقائق خاص اس علم کے اعتبار سے جو
بعض ان کمالات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

---

۱۔ که متعلق شود ......الخ:۔ یعنی ذات کی قابلیت خاص علم کے اعتبار سے ہے۔

۲۔ جان لو کہ صفات اور شیونات کے درمیان دقیق (باریک) فرق ہے بالجملہ صفات خارج میں موجود ہیں ذات تعالیٰ وتقدس پر زائد وجود کے طور پر اور شیونات صرف ذات عزّ سلطانہ میں اعتبارات ہیں۔

خود حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مکتوب دوسو ستاسی (۲۸۷) جلد اول میں اس فرق کو ایک مثال سے واضح فرمایا ہے، اس مکتوب کو چوتھے مکتوب کی شرح کے طور پر تحریر کیا ہے اس مضمون کو وہاں سے مطالعہ کرنا چاہیے:

۳۔ برزخ ...... الخ:۔ با اور زا پر زبر ہے، برزخ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حائل اور روک۔ دوسرے معنی برزخ کے ہیں موت کے بعد قیامت تک کا زمانہ، اور عربی میں کہتے ہیں برازخ الایمان: یعنی ایمان کی ابتدا و انتہا کے درمیان کی حالت اور شک ویقین کی درمیانی حالت۔ یہاں اول معنی مراد ہیں۔

به بعض آن کمالات وآن قابلیتِ محمد یه برزخ است میانِ ذات جل سلطانه ومیانِ این قابلیات متعدده وحکم آن بعض بواسطهٔ آنست که اورا در خانه٭ صفات قدمگاه است وبس ونهایت عروجِ آن خانه تا بآن قابلیت است لا جرم آن را بآن سرور نسبت کرده علیه الصلوة والسلام والتحیة وچون این قابلیت اتصاف ہر گز مرتفع نمیشود آن بعض نیز حکم کرده بآنکه حقیقتِ محمدی ہمیشه حائل است والا قابلیتِ محمدیه را علی مظهرها الصلوة والتحیة که مجرد اعتبار است در ذاتِ جل شانه ارتفاع از نظر ممکن است بلکه واقع است وقابلیتِ اتصاف اگرچه نیز اعتبار است اما بواسطهٔ برزخیت رنگِ صفات گرفته که در خارج موجود اند بوجودِ زائد وارتفاعِ اواز امکان برآمده لا جرم حکم میکند بوجودِ آن حائل دائما امثالِ این علوم که منشأ آن جامعیتِ اصالت وظلیت است بسیار دارد میشوند

(اللہ تعالیٰ کی) ذات کی قابلیتیں ہیں اور وہ قابلیتِ محمد یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات پاک اور ان متعدد قابلیتوں کے درمیان برزخ ہے اور ان بعض صوفیائے کرام کا یہ حکم لگانا (کہ حقیقتِ محمدی ذات کی قابلیت ہے جو کہ تمام صفات کے ساتھ متصف ہے) اس وجہ سے ہے کہ خانہ صفات میں قابلیتِ محمد یہ کی قدم گاہ ہے اور بس، اور خانہ صفات کے عروج کی انتہا اس قابلیت تک ہے اسی لئے ضروری طور پر اس قابلیت کو آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور چونکہ یہ قابلیتِ اتصاف ہرگز دور نہیں ہوتی اسی وجہ سے ان بعض صوفیائے کرام نے بھی یہ حکم لگایا ہے کہ حقیقتِ محمدیؐ ہمیشہ حائل ہے ورنہ قابلیتِ محمد یہ علی مظہرہا الصلوٰۃ والتحیہ (اس کے مظہر پر صلوٰۃ وسلام ہو) جو کہ ذاتِ باری جل شانہ میں مجرد اعتبار ہے جس کا نظر سے دور ہونا ممکن بلکہ واقع ہے اور قابلیتِ اتصاف بھی اگر چہ اعتباری ہے لیکن برزخ ہونے کی وجہ سے اس نے ان صفات کا رنگ اختیار کر لیا ہے جو وجودِ زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور اس کا دور ہونا ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے اس حائل کے ہمیشہ موجود ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اس قسم کے علوم جو اصالت وظلیت کی جامعیت سے پیدا ہوتے ہیں، بہت وارد ہوتے ہیں۔

اکثر آنہا در پرچہاءِ کاغذ نوشتہ می شود مقام قطبیت(۱) منشاء دقائق علومِ مقامِ ظلی است ومرتبۂ فردیت واسطۂ ورودِ معارفِ دائرۂ اصل امتیاز میانِ ظلِ واصل بے اجتماع این دو دولت میسر نیست لہذا بعضے از مشائخ قابلیتِ اولی را کہ تعین اول مے گویند

ان میں سے اکثر کاغذ کے پرچوں پر لکھے جاتے ہیں ۔ مقام قطبیت، مقامِ ظلّیت کے علوم کے دقائق کے پیدا ہونے کا مقام ہے اور فردیت کا مرتبہ دائرہ اصل کی معرفتوں کے وارد ہونے کا ذریعہ ہے۔ ان دو دولتوں یعنی مقامِ قطبیت اور مرتبہ فردیت کے جمع ہونے کے بغیر ظِل اور اصل کے درمیان تمیز کرنا حاصل نہیں ہوتا، اس لئے بعض مشائخ قابلیتِ اولی کو جسے تعینِ اول کہتے ہیں

---

۱: مقام قطبیّت ومرتبہ فردیت :کے متعلق جاننا چاہیے کہ ابدال، اقطاب، اغواث، افراد، اوتاد، اخیار، ابرار اور نقباء، اولیاء اللہ کی اقسام ہیں۔ ان میں سے بعض مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی عمدگی (جمال) کو بھی نہیں جانتے، اور وہ چار ہزار (۴۰۰۰) ہیں اور ان میں سے بعض اہلِ حل وعقد ہیں اور بارگاہِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے سردار تین سو (۳۰۰) ہیں، جیسا کہ نفحات الانس کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابدال شام میں رہتے ہیں اور وہ چالیس (۴۰) مرد ہیں، جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کسی دوسرے آدمی کو مقرر فرمادیتا ہے، ان کے وجود کی برکت سے بارش برستی ہے اور انصاف حاصل کیا جاتا ہے اور ان کی مدد سے دشمنوں سے انتقام لیا جاتا ہے، ان کی برکت سے اہلِ شام سے عذاب لوٹا دیا جاتا ہے۔ اہلِ شام کی تخصیص قرب وجوار کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی برکت وامداد تمام دنیا کے لئے ہے، خاص طور پر اس شخص کے لئے جو ان سے مدد واعانت طلب کرے۔ ﴿از ترجمہ مشکوٰۃ (۴/۷۵)﴾ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: ابن عساکر نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سو (۳۰۰) اشخاص کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے موافق پیدا فرمائے ہیں اور اللہ نے چالیس آدمی ایسے پیدا کئے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کے موافق پیدا فرمائے ہیں اور پانچ آدمی ایسے ہیں جن کے دل حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور تین ایسے ہیں جن کے دل میکائیل علیہ السلام کے دل کے موافق ہیں اور اس کا ایک بندہ وہ ہے جس کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل کے موافق ہے۔ جب وہ ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان تین سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے اور جب تین میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پانچ میں سے ایک کو بدل دیتا ہے، اور جب پانچ میں سے ایک مرجاتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

زاید بر ذات نمیدانند وتجلی ذاتی شهودِ آن قابلیت راسے انگارند "والحق ما حققت والامر ما اوضحت والله سبحانه یحق الحق وهو یهدی السبیل"(۱) رساله که بتسوید آن مامور شده بود باتمام آن موفق نمے شود وہمان مسود ہا افتاده اند تا حکمتِ الٰهی جل سلطانه درین توقف چه بوده باشد زیاده گستاخی از ادب دوراست۔

ذات پر زائد نہیں جانتے اور اس قابلیت کے شہود (مشاہدہ میں آنے) کو تجلی ذاتی خیال کرتے ہیں اور حق وہی ہے جو میں نے تحقیق کیا ہے اور حقیقتِ امر وہی ہے جس کو میں نے واضح طور پر بیان کیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی حق کو ظاہر فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشتا ہے۔ وہ رسالہ جس کے لکھنے کے لیے اس خاکسار کو حکم ہوا تھا اس کے پورا کرنے کی توفیق حاصل نہیں ہو رہی ہے اور مسوّدے (تحریرات) اسی طرح پڑے ہوئے ہیں، معلوم نہیں اس توقف (رکاوٹ) میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی کیا حکمت ہے۔ زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

---

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) تو سات میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ بدل دیتا ہے اور جب سات میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس میں سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے اور جب چالیس میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ تین سو میں سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے اور جب تین سو میں سے ایک مرجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ عام لوگوں میں سے ایک کو اس کی جگہ بدل دیتا ہے۔

ان مذکورہ اللہ کے بندوں کے سبب اس امت کی بلائیں دور ہوتی ہیں۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کے دل کے مطابق بھی کسی کا دل ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے عالم خلق وامر میں کسی کا دل آپ ﷺ سے زیادہ عزت والا زیادہ بزرگی والا اور زیادہ لطیف نہیں پیدا فرمایا۔ اس لئے اولیاء اللہ میں کسی کا دل آپ کے برابر اور موافق نہیں ہے، برابر ہے کہ وہ ابدال ہوں یا اقطاب۔ امام یافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قطبوں کے حالات پر پردہ ڈالا گیا ہے عام اور خاص لوگوں سے حق تعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے۔ انتھی

ا۔ والحق ما حققت ...... الخ :۔ یعنی اس بارے میں حق وہ ہے جو میں نے تحقیق کیا ہے اور صحیح امر وہ ہے جس کی میں نے وضاحت کردی ہے خدائے پاک حق ظاہر فرماتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے۔

## مکتوب پنجم

درسفارشِ خواجۂ برہان الدین که یکی از مخلصان بود بابیان بعضے احوالِ او نیز به پیر بزرگوار خود نوشته اند۔

عرضداشت احقر الخدمه آنکه رساله در بیانِ طریقتِ حضراتِ خواجگان قلس الله تعالیٰ اسرارهم نوشته ارسال داشته است بنظر مبارك خواهد در آمد ہنوز مسوده است خواجۂ برہان بسرعت راہی شدند فُرجۂ بیاضِ آن نشد یحتمل که بعضی علومِ دیگر ہم بآن ملحق شدند روزے رساله" سلسلة الاحرار"(۱) بنظر در آمد۔ در ان اثناء بخاطر فاتر رسید که بایشان عرضداشت بکنم تاخود چیزے در باب بعضی علومِ آن رساله نویسند یا بفقیرامر کنند تا چیزے دران باب نویسد این خاطر (۲)

## پانچواں مکتوب

ایک مخلص دوست خواجہ برہان الدین کی سفارش اور ان کے بعض حالات کے بیان میں ۔ یہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

عرضداشت :۔حضور کا ادنیٰ ترین خادم عرض کرتا ہے کہ ایک رسالہ حضرات خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالی اسرارھم کے طریقہ کے بیان میں لکھ کر ارسال خدمت کیا ہے۔حضور کے ملاحظہ سے گذرے گا، ابھی مسؤدہ ہے ۔ چونکہ خواجہ برہان جلدی روانہ ہو گئے اس لئے اس کو صاف نقل کرنے کا وقت نہ ملا، خیال ہے کہ بعض دوسرے علوم بھی اس کے ساتھ ملائے جائیں۔ ایک روز رسالہ ''سلسلۃ الاحرار'' نظر سے گذرا۔اس وقت دل میں خیال آیا کہ حضور سے درخواست کروں کہ آنجناب خود اس رسالہ کے بعض علوم کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں یا اس فقیر کو حکم دیں تا کہ اس کے بارے میں کچھ لکھے۔

---

۱۔ رساله سلسلة الاحرار ......الخ :۔جاننا چاہیے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اپنی رباعیات کی جو کہ آپ کی بڑی دقیق اور نفیس تصنیفات میں سے ہے، شرح فرمائی ہے، اور اس کا نام'' سلسلۃ الاحرار'' رکھا ہے۔

۲۔ این خاطر ......الخ:۔یہ بات دل میں گزری یعنی دوسری رائے یہ تھی کہ آپ (خواجہ باقی باللہ) فقیر (مجدد الف ثانی) کو حکم فرمائیں تا کہ اس بارے میں کچھ تحریر کرے۔

خیلے (۱) قوی گشت متصل آن بعضے از علومِ این (۲) مسوده فائض گشتند وفی الجمله معذرتِ (۳) بعضی علوم آن رساله در ضمن آن مبیَّن گشت اگر ہمین مسوَّده را تکملهٔ آن رساله سازند گنجائش دارد واگر بعضے علومِ مناسبه را ازان انتخاب نموده بآن رساله ملحق سازندہم وجہی دار وزیادتِ جرأت از ادب دوراست خواجهٔ برہان درین مدت کارِ خوب کردند واز سیر سیوم(۴) که مناسبِ مقامِ جذبه است نیز نصیبے یافتند خاطر بواسطهٔ مُہمّ مددِمعاش صوبه "مالوه" مشوّش وقت میشد در مُلازمت رسیده اند ہر چه امر خواہند فرمود مبارک خواہد بود۔

یہ خیال بہت پختہ ہوگیا تھا کہ اسی اثناء میں اس مسودے کے بعض علوم کا فیضان ہوا اور اس رسالہ "سلسلۃ الاحرار" کے بعض علوم مجمل طور پر اس رسالہ کے ضمن میں بیان ہوگئے ہیں، اگر اسی مسودے کو اس رسالہ کا تکملہ بنالیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔اور اگر بعض مناسب علوم کو اس مسودے میں سے انتخاب کر کے اس رسالہ کے ساتھ ملالیں تو یہ بھی ایک صورت ہے۔اس سے زیادہ لکھنے کی جرأت کرنا ادب کے خلاف ہے۔ خواجہ برہان نے اس عرصہ میں خوب محنت کی ہے اور تیسری سیر سے بھی جو کہ مقامِ جذبہ کے مناسب ہے کچھ حصہ پالیا ہے۔خواجہ برہان کا دل صوبۂ مالوہ میں معاش کے لحاظ سے پراگندہ رہتا ہے، وہ آپ کی خدمتِ مبارک میں حاضر ہو رہے ہیں، حضور ان کے لیے جو حکم فرمائیں گے وہ مبارک ہوگا۔

۱۔ خیلے ......... الخ:۔خا کے زبر سے، اس کے معنی سواروں اور آدمیوں کے گروہ وغیرہ اور گھوڑوں کے گلّے کے ہیں اور کم اور زیادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس جگہ زیادہ کے معنی میں ہے۔

۲۔ این مسوده ...... الخ:۔یعنی یہ رسالہ حضرات خواجگانِ نقشبند کی طریقت کے بیان میں ہو۔

۳۔معذرت ...... الخ:۔یعنی اس رسالہ کے بعض علوم یعنی رسالہ "سلسلۃ الاحرار" کے ضمن میں واضح ہیں، مطلب یہ کہ رسالہ "سلسلۃ الاحرار" کے علوم سے بعض اس مسودہ میں مَیں نے بیان کردیئے ہیں۔

۴۔ سیر سیوم :تیسری سیر سے مراد "سیر عن اللہ باللہ" ہے اس سے مراد حرکتِ علمیہ ہے جو کہ علم اعلیٰ سے علم اسفل کی طرف، اور پھر اس اسفل سے دوسرے اسفل کی طرف...... الخ علی ھذا القیاس۔

## مکتوب ششم

دربیانِ حصولِ جذبه وسلوك وتربیت یافتن بهر دو صفتِ جمال وجلال وبیانِ فنا وبقا وما یتعلق بذلك وبیانِ فوقیت نسبتِ نقشبندیه نیز به پیر بزرگوارِ خود نوشته اند

عرضداشت کمترین بندگان احمد آنکه مرشد علی الاطلاق جل شانه به برکتِ توجه عالی بهردو طریقِ جذبه (۱) وسلوك تربیت فرمود وبهر دوصفتِ جمال وجلال مربی ساخت حالا جمال عینِ جلال است (۲)

## چھٹا مکتوب

جذبہ وسلوک کے حاصل ہونے اور جمالی اور جلالی دونوں صفتوں کے ساتھ تربیت پانے اور فنا وبقا اور ان کے متعلقات کے بیان میں اور نسبتِ نقشبندیہ کی فوقیت کے بیان میں، یہ بھی اپنے پیرومرشد بزرگوار کی خدمت میں لکھا۔

**عرضداشت:**۔ حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ہدایت کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آنجناب کی توجہ عالیہ کی برکت سے جذبہ وسلوک کے دونوں طریقوں اور جمال وجلال کی دونوں صفتوں سے اس حقیر کی تربیت فرمائی ہے۔ اب جمال عین جلال ہے

---

۱:۔ جذبه:۔ سے مراد سیرِ انفسی ہے۔ اور سلوک سے مراد سیرِ آفاقی ہے، بالفاظ دیگر تصفیہ قلب وتزکیہ نفس۔ معلوم ہونا چاہیے کہ پیرِ کامل مکمل، جناب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا نائب ہوتا ہے، جب اپنی توجہ مرید کے کام میں لاتا ہے اور مرید کو اس میں کوئی عمل نہیں کرنا پڑتا اور اس کی برکت ہی سے اس (مرید) کے عالم امر کے لطائف، پستی (نزول) سے ترقی کر کے اصلاً خود بخود فانی ہو جاتے ہیں اور اس کے عالم امر کے لطائف کا تزکیہ اور فنا ہر ایک اس سے اس اصول میں حاصل ہو جاتے ہیں اسے سیرِ انفسی کہتے ہیں۔ اور یہ "جذب" ہے۔ جس مرید کی اس طریقہ سے تربیت کی جائے، اسے "مجذوب" کہتے ہیں۔ اور جب پیرِ کامل، مرید کو ریاضت (مجاہدہ) اور چلہ کشی اور اس قسم کے طریقوں کی رہنمائی فرمائے اور پیرِ کامل کی صحبت کی تاثیر اس کی ریاضت (مجاہدہ) میں ممد ہو اور مرید کو اپنے نفس اور عناصر کی پاکیزگی حاصل ہو جائے یہ "سلوک" ہے اور اسے "سیرِ آفاقی" کہتے ہیں۔ اور اس قسم کے مرید کو "سالک" کہتے ہیں۔ اور جب جذب سلوک سے مقدم (پہلے) ہو جیسا کہ حضرات نقشبندیہ کا معمول (طریقہ) ہے (ایسے) مرید کو "مجذوب سالک" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور اگر سلوک مقدم (پہلے) ہو جیسا کہ دوسرے سلاسل کے حضرات میں مروّج (دستور) ہے ایسے مرید کو "سالک مجذوب" کہتے ہیں۔

۲۔ جمال عین جلال است:۔ جمال جیم کی زبر سے، معنی اچھا ہونا۔ خوب صورت وخوب سیرت ہونا۔ یہاں انعام واکرام مراد ہے

وجلال (۱)عینِ جمال در بعضی حواشی رساله قدسیه(۲) این عبارت را از مفهومِ صریح خود منحرف ساخته بر مفهومِ موہومِ خود حمل کرده است وعبارت محمول بر ظاہرِ خود است قابلِ انحراف وتاویل نیست وعلامتِ این تربیت متحقق شد نسبت بمحبتِ ذاتی پیش از تحققِ آن امکان ندارد ومحبت ذاتیه علامتِ فناست وفنا عبارت از نسیانِ ماسواست پس تازمانیکه علوم بتمام از ساحت سینه رُفته(۳) نشود و بجہلِ مطلق متحقق نشود از فنا بہره ندارد واین حیرت وجہل دائمی است امکانِ زوال ندارد نه آنست که گاہے حاصل شود وگاہے زائل گردد غاية ما فی الباب(۴)

اور جلال عین جمال ہے۔ ''رسالہ قدسیہ'' (مصنفہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بزرگوار نقشبند قدس سرہ العزیز) کے بعض حاشیوں میں اس عبارت کو اپنے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اپنے موہوم مطلب پر حمل کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور ظاہری معنی سے ہٹانے اور تاویل کے قابل نہیں ہے، اور اس تربیت کی علامت محبتِ ذاتی کے ساتھ متحقق ہوتا ہے اس کے تحقق سے پہلے ممکن نہیں ہے، اور محبتِ ذاتی فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا فراموش ہو جانا ہے۔ پس جب تک تمام علوم پورے طور پر سینے کے میدان سے صاف نہ ہو جائیں اور سالک جہل مطلق کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے، وہ فنا سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، اور یہ حیرت وجہل دائمی ہے اس کا زائل ہونا ممکن نہیں اور ایسا نہیں ہے کہ کبھی حاصل ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے۔

۱۔جلال بالفتح :۔یعنی ''جیم'' کی زبر سے، اس کے معنی بزرگی اور بڑائی ہے اس جگہ مراد مصائب کا ظاہر ہونا جو غصہ وغضب کی صورت ہے۔

۲۔رساله قدسیه:۔رسالہ قدسیہ سے مراد خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ نقشبند بخاری قدس سرہ کی ایک تصنیف ہے۔

۳۔رفته :۔''ر'' کی پیش سے، رُفتن۔ جھاڑو دینا۔ صاف ہونا۔ مراد سینہ صاف ہونا (تصفیہ وتزکیہ قلب)۔

۴۔غاالته ما فی الباب:۔اس باب کا مطلوب ومقصود حقیقی۔

پیش از بقا جہالت محض است وبعد از بقا جہالت وعلم باہم جمع اند در عینِ نادانی بہ شعور است ودرعین حیرت بحضور کہ این موطنِ حق الیقین (۱)است کہ علم وعین حجابِ یکدیگر نیستند وعلمی کہ پیش از چنین جہالت حاصل شود از حَیّزِ اعتبار خارج است باوجودِ آن اگر علم است در خود است واگر شہود است ہم در خود واگر معرفت است یا حیرت نیز در خود است تازمانیکہ نظر در بیرون است بی حاصل است اگرچہ در خودہم نظر داشتہ باشد نظر از بیرون بالکل منقطع میباید کہ شود حضرت خواجہ بزرگ قدس اللہ سرہ میفرمایند کہ اہل اللہ بعد از فنا وبقا ہر چہ مے بینند در خود می بینند وہر چہ مے شناسند در خود مے شناسند وحیرتِ ایشان در وجودِ (۲)خود است۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مقام بقا باللہ سے پہلے جہالت محض ہے اور مقام بقا باللہ حاصل ہونے کے بعد جہالت اور علم دونوں جمع ہو جاتے ہیں، سالک عین نادانی کی حالت میں شعور کے ساتھ ہوتا ہے اور عین حیرت کے وقت میں حضور کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور یہ مقام ''حق الیقین'' کا مقام ہے کہ اس میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے حجاب نہیں ہیں اور وہ علم جو اس قسم کی جہالت سے پہلے حاصل ہوتا ہے وہ احاطہ اعتبار سے خارج ہے، (یعنی اعتبار کے لائق نہیں ہے) اس حالت کے باوجود اگر علم ہے تو اپنے آپ میں ہے اور اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہے اور اگر معرفت یا حیرت ہے تو وہ بھی اپنے آپ میں ہی ہے، جب تک کہ نظر باہر کی اشیاء میں ہے بے حاصل (بے کار) ہے اگرچہ اپنے آپ میں بھی نظر رکھتا ہو، بیرونی اشیاء سے نظر بالکل منقطع ہو جانی چاہیے۔ حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ بہاالدین نقشبند) قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ''اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے آپ میں ہی پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود ہی میں ہے''۔

۱۔ الحق الیقین..... الخ : جاننا چاہیے کہ حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین اور اپنے سے باہر میں نظر کرنا، اور اپنے آپ میں نظر کرنا اور ان کے ایک دوسرے کے لیے حجاب ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل، ان سب کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جلد اوّل میں مکتوب نمبر دوسو ستر (۲۷۰) میں ذکر فرمایا ہے اس کا مطالعہ وہاں سے کرنا چاہیے۔

۲۔ در وجود خود است: ایسا نہ ہو کہ نادان اور سادہ لوح اس جگہ حلول یعنی باہم مل جانا اور اتحاد یعنی اکٹھے ہو (بقیہ اگلے صفحہ پر)

از ینجاہم صریحاً مفہوم مے شود که شهود ومعرفت وحیرت در نفس است وبس در بیرون ہیچکدامِ اینہا نیست تازمانیکه یکے ازین ثلثه(۱) در بیرون است اگرچه در خودہم دارد از فنا بہره ندارد فکیف البقا(۲) نہایتِ مرتبه در فنا وبقا این است واین فنا مطلق است ومطلق فنا عام است وبقا باندازۂ فنا است لہذا بعضے اہل اللہ بعد از تحقق بفناوبقا در بیرون نیز شہود دارند اما نسبتِ این عزیزان فوقِ ہمه نسبتہا است

اس عبارت سے بھی صاف طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ شہود اور معرفت اور حیرت اپنے نفس ہی میں ہے اور بس، اپنے آپ سے باہر کی اشیاء میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ جب تک ان تینوں میں سے کوئی ایک امر بھی اپنے نفس سے باہر ہے اگرچہ اپنے آپ میں بھی رکھتا ہو، اس کو فنا حاصل نہیں ہے تو بقا اس کو کس طرح حاصل ہو جائے گی (کیونکہ) فنا وبقا میں مرتبہ کی انتہا یہی ہے اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے، اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے (جس قدر فنا کامل ہوگی اسی قدر بقا بھی کامل ہوگی) اس لیے بعض اولیاء اللہ فنا وبقا کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد اپنے باہر میں بھی شہود رکھتے ہیں، لیکن ان بزرگواروں (مشائخ نقشبندیہ) کی نسبت تمام نسبتوں سے بلندتر ہے۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) جانا سمجھ بیٹھیں اور گمراہی کے گڑھے میں جا گریں۔

اینجا حلول کفر بود اتحاد ہم — ترجمہ:۔ یہاں حلول کفر ہے اور اتحاد بھی (کفر ہے)

می فتد این عقلہاءِ اعتقاد
در مغا کی حلول و اتحاد

ترجمہ:۔ حلول واتحاد کا یہ عقیدہ عقل واعتقاد کو (گمراہی کے) گڑھے میں پھینک دیتا ہے۔

دیگر:

تابنده ز خود فانی مطلق نشود — توحید بنزدِ او محقق نشود
توحید حلول نیست نابودنِ تست — عارفے بگذاف آدمی حق نشود

ترجمہ:۔ جب تک بندہ اپنے آپ سے مطلقاً فانی نہ ہو جائے، توحید خالص اس کے نزدیک متحقق نہیں ہو سکتی۔ توحید حلول نہیں ہے (بلکہ) تیرے وجود کا فنا ہونا ہے۔ ایسے اعتقاد وعمل (حلول واتحاد) کے عارف کو چھوڑ دو کیونکہ اس نظریے والے آدمی کا وجود حق نہیں ہے۔

۱۔یکے از ثلثه:۔ شہود ومعرفت وحیرت۔ ان تینوں میں سے ایک (کا ظاہر ہونا)

۲۔فکیف البقاء:۔ یعنی پس از بقا چگونه بہره ور دارد (ترجمہ:۔ تو بقا سے کیسے بہرہ ور ہوگا)

"نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند،
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند"(۱)

ہر گاہ از اکابر این سلسلہ بعد از قرون(۲) بسیار یکے یادوئ را باین نسبت مشرف سازند از سلاسل دیگر چہ گوید این نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی(۳) است قدس سرہ۔

محض آئینہ رکھنے سے سکندر بن نہیں سکتا
فقط سر کے منڈوانے سے قلندر بن نہیں سکتا

جب بہت سے قرن (کئی صدیاں) گذرنے کے بعد اس سلسلۂ عالیہ کے بڑے بڑے مشائخ میں سے ایک یا دو کو اس نسبت کے ساتھ شرف بخشتے ہیں تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں کیا بیان کیا جائے، یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کی نسبت ہے۔

---

۱۔ قلندری: قلندر دراصل بمعنی کندہ ناتراشیدہ۔ قلندر کے اصل معنی یہ ہیں کہ ایسی چیز جس کی کانٹ چھانٹ نہ کی گئی ہو کہ اسے دروازے کے پس پشت پھینک دیتے ہیں۔ جو جلدی نہ کھولا جائے۔ (مرشد کامل سے تربیت یافتہ نہ ہونا۔ جس کی یہ حالت ہو وہ جلد کسی بھی منزلِ سلوک کو نہیں پاسکتا)۔

۲۔ قرون: ۔ قرون، قرن کی جمع ہے (ق کی زبر سے) قرن ایک سو سالہ مدت کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات سو سال سے کم اور زیادہ کو بھی قرن ہی میں شمار کرتے ہیں۔

۳۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی ...... الخ۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات اس راہ (طریقت) میں حجت کا درجہ رکھتی ہیں اور آپ "تمام فرقہائے سلاسل (طبقاتِ صوفیاء) میں مقبول ہیں۔ وہ ہمیشہ صدق وصفا کے طریق، شرع وسنت مصطفیٰ ﷺ کی اتباع۔ بدعت اور خواہشات نفسانی وبیہودگی کی مخالفت میں کوشاں رہے ہیں انہیں جوانی میں پہلے ذکر کا سبق حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہوا اور اس سبق پر مدوامت اختیار کی ہے۔ خواجہ خضر علیہ السلام نے انہیں اپنی فرزندی (تفویضِ نعمت) میں قبول فرمالیا۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ عالم، عارف ربانی، خواجہ امام ابو یعقوب یوسف ہمدانی قدس سرہ کی صحبت میں رہے ہیں۔ کہتے ہیں خواجہ خضر علیہ السلام ان کے پیر سبق ہیں اور خواجہ یوسف ہمدانی "پیر صحبت وخرقہ۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا حدیث "اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله" کا "سِرّ" (حقیقت) کیا ہے: ؟ فرمایا کہ زنار توڑ دے اور ایمان لے آ۔ اس شخص نے زنار سے انکار کیا۔ خواجہؒ نے اپنے خادم کو اشارہ کیا، خادم نے جب اس کا خرقہ (کرتہ) اتارا، زنار ظاہر ہوئی۔ اس نے اسی وقت زنار توڑ دی، اور مسلمان ہوگیا۔ ارشاد فرمایا، طالبان (راہ سلوک کے طالب) کو بھی چاہیے کہ ہم بھی باطن یعنی عُجب (خود نمائی، تکبر) کی زنار توڑ دیں۔ جس طرح اس نے بخشش پائی ہم بھی بخشش پائیں۔ زنار (ایسا دھاگہ جسے ہندو قوم گلے میں آڑے ترچھے انداز میں ڈالے رکھتے ہیں۔ زنار ہندوازم کی علامت ہے)۔ از نفحات الانس۔

وتمم ومکمل آن حضرت خواجهٔ خواجہا اسـت اعنی حضرت خواجہ بہاء الدین(۱) المعروف به نقشبند قدس سرهم و از خلفاء ایشان حضرتِ خواجہ علاؤ الدین (۲) باین دولت مشرف شده بودند۔

اور اس نسبت کو پورا اور کامل کرنے والے حضرت خواجۂ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرھم ہیں اور آپ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ علاؤالدین اس دولت سے مشرف ہوئے تھے۔

---

۱۔ خواجہ بہاؤ الدین المعروف به نقشبند قدس سرہ:۔ان کا نام محمد بن محمد بخاریؒ ہے۔ان کو حضرت خواجہ محمد بابا سماسی علیہ رحمۃ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور تعلیم اور آدابِ طریقت حضرت سید امیر کلال علیہ الرحمہ سے حاصل کئے۔در حقیقت موصوف اویسی ہیں اور روحانی تربیت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمہ سے حاصل کی۔حضرت کے غلام یا کنیز نہیں رہے ہیں اس بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا، غلامی کو آقائی سے کوئی مناسبت نہیں اور فرماتے ہیں کہ وجود کی نفی ہمارے نزدیک قرب کا مقبول ترین ذریعہ ہے لیکن سوائے اختیار کے ترک کرنے اور دید قصورِ اعمال (عمل میں کوتاہی دیکھنا) کے حاصل نہیں ہوتا اس راستے (سلوک۔فقر) پر چلنے بغیر تعلق (بیعت) ایک بڑا حجاب ہے۔

تعلق حجابست وبیحاصلی چوں پیوند ہابگسلی واصلی

ترجمہ: تعلق (دنیا کے ساتھ وابستگی) حجاب ہے اور بے مقصد (بے فائدہ) جب تو تعلقات کو توڑ دے گا واصل ہو جائے گا (اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو جائیگا)۔بعض حضرات نے آپؒ کی ذات سے کرامات کا مطالبہ کیا۔فرمایا ہماری کرامات ظاہر (واضح) ہیں کہ باوجود اسقدر گناہوں کے بوجھ کے روئے زمین پر چل پھر سکتا ہوں (چلتا پھرتا ہوں)۔فرمایا میرے جنازہ کے آگے یہ شعر پڑھیں۔

مفلسانیم آمده در کوئے تو شیأ للہ از جمال روئے تو

ترجمہ:۔ہم مفلس آپ کے کوچے میں حاضر ہوئے ہیں اپنے رخ انور کا صدقہ اللہ کے لیے (اللہ کا واسطہ) کچھ دو۔

آپؒ نے یہ بھی فرمایا کہ عزیزاں علیہ الرحمۃ والغفران کہا کرتے تھے کہ زمین اس گروہ اولیاء کی نظر میں دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ دنیا ناخن کی طرح ہے اور کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔ان کی وفات دوشنبہ (پیر) کی رات تین ربیع الاول سنہ سات سو اکانوے (۷۹۱) ہجری ہے قدس سرہ۔اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو محفوظ فرمائے۔نفحات الانس سے اختصار کے ساتھ مذکورہ بالا اذکار نقل کئے ہیں۔

۲۔حضرت خواجہ علاؤ الدین: حضرت خواجہ علاؤالدین علیہ الرحمہ کا لقب "عطار" ہے (یعنی عطر فروش)۔ان کا اسم محمد بن علی بن محمد البخاری ہے۔حضرت خواجۂ خواجگان بہاؤالدین نقشبند بخاری علیہ الرحمہ کے جلیل القدر اصحاب (اہل تربیت وعقیدت) میں سے تھے۔حضرت خواجہ نقشبند بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے زمانہ میں بہت سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مصرع: این کار دولت ست کنون تا کرا دہند

عجب کاریست اولاً ہر بلا و مصیبت کہ واقع میشد باعث سرور و فرحت میشد "وهل من مزید" میگفت وہر چہ از امتعۂ دنیویہ کم میشد خوش می آمد واین قسم را آرزو میکرد حالا کہ بعالم اسباب فرود آوردند ونظر بر عجز وافتقار خود افتاد اگر اندك ضرے لاحق میشود در اول وہلہ نوعی از حزن رومیدہد ہرچند بسرعت زائل میشود وہیچ نمے ماند وہمچنین اگر دعامے کرد از برائے دفع بلاو مصیبت مقصود از ونہ رفع آن بود

مصرع: یہ ہے عظیم کام، ملے دیکھئے کسے۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ پہلے جو بلاو مصیبت بھی واقع ہوتی تھی وہ فرحت وخوشی کا باعث ہوتی تھی اور یہ فقیر ھل من مزید (کیا اور زیادہ بھی ہے) کہتا تھا اور دنیاوی ساز وسامان میں سے جو کچھ کم ہوجاتا تھا اچھا معلوم ہوتا تھا، اور یہ فقیر اسی قسم کی خواہش کرتا تھا اور جبکہ عالمِ اسباب میں نزول واقع ہوا ہے اور اپنی عاجزی ومحتاجی پر نگاہ پڑی ہے، اگر تھوڑا سا بھی نقصان لاحق ہوجاتا ہے تو پہلے ہی جھٹکے میں ایک قسم کا رنج وغم پیدا ہوجاتا ہے اگرچہ وہ جلد ہی دور ہوجاتا ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور اسی طرح اگر پہلے یہ عاجز بلاو مصیبت کے دور ہونے کے لیے دعا کرتا تھا تو اس سے اس بلا ومصیبت کو دور کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا۔

---

(بقیہ پچھلے صفحہ سے) طالبان کی تربیت کو آپ کے حوالے کردیا اور فرمایا: علاؤالدین (علیہ الرحمہ) نے ہمارا بہت سا بوجھ ہلکا کردیا ہے یقیناً ان کی ولایت کے انوار واثرات اتمام وتکمیل کی حد تک ان سے ظاہر ہوئے اور ان کی صحبت کی برکت اور حسن تربیت سے بہت سے طالبانِ (راہ سلوک) دوری اور نقصان کے پائین (نچلے مقام) سے حضوری کے قرب وکمال کے اعلیٰ مراتب تک پہنچے ہیں اور اکملیت کے انتہائی درجہ کا کمال حاصل کیا ہے۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں قطرۂ خون از دل چکید      تا نشانِ قطرۂ زاں یافتم

ترجمہ: خون کے لاکھوں قطرات دل سے ٹپکے اور پھر جاکر ان کی نسبت ومحبت کا ایک قطرہ حاصل ہوا۔

مزید فرماتے ہیں کہ ہر طالب کو اکابرِ دین رضی اللہ عنہم کی دید وزیارت کو مقصد بنانا چاہیے تاکہ حق کی طرف توجہ ہوجائے اور ان برگزیدہ حق کی روح کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی توجہ کمال حاصل ہو۔ جیسے کہ مخلوقِ خدا سے ہر حال میں تواضع وانکساری زیادہ ظاہر ہو اسی قدر حق سبحانہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نشانات کو ظاہری لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ علاؤالدین قدس سرہ نے عشاء کی نماز کے بعد بدھ کی رات بیس (۲۰) رجب سنہ آٹھ سو دو (۸۰۲) ہجری کو وفات پائی ہے۔ ان کا مزار پُر انوار موضع چغانیاں میں ہے۔ (نفحات الانس سے بالاختصار)۔

بلکه امتثال امر ادعونی(۱) بود حالا مقصود از دعا رفع بلیه ومصائب است وخوف وحزنیکه زائل شده بودند باز رجوع کردند ومعلوم شد که آن از سکر بود در صحو ہرچه عوام الناس راہست این راہست از عجز وافتقار وخوف وحزن وغم وشادی در ابتداہم که مقصود از دعا رفع بلا نبود دل را این معنے خوش نمی آمد لیکن حال غالب بود بخاطر میگذشت که دعاءِ انبیاء ازین قبیل نبود که حصولِ مراد بخواہند حالا که بآن حالت مشرف ساختند وحقیقت کار را واضح گردانیدند معلوم شد که دعاہاء انبیاء علیهم الصلوات والتسلیمات از سرِ عجز و افتقار وخوف وحزن بود نه بمجرد امتثال امر بعضے امور که رومیدہد بحسبِ امر گاہ گاہ بعرضِ آن گستاخی می نماید۔

بلکہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم " اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ " (تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا) کی تعمیل وفرمانبرداری بجالانا تھا لیکن اب دعا سے مقصود بلاؤں اور مصیبتوں کا رفع کرنا ہے اور وہ خوف وغم جو پہلے زائل ہو چکے تھے اب پھر لوٹ آئے ہیں اور اب معلوم ہوا کہ وہ حالت سکر کی وجہ سے تھی، صحو کی حالت میں عاجزی ومحتاجی اور خوف وحزن اور غم وخوشی جس طرح سے عام لوگوں کو لاحق ہوتی ہے اس خاکسار کو بھی ہے۔ابتدا میں بھی جب کہ دعا سے بلاؤمصیبتوں کا دفع کرنا مقصود نہیں تھا، دل کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی لیکن حال غالب تھا (اس لئے مجبور تھا)، دل میں خیال گزرتا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا اس قسم کی نہیں تھی کہ جس سے وہ اپنی مراد کا حاصل ہونا چاہتے ہوں، اب جبکہ یہ خاکسار اس حالت سے مشرف فرمایا گیا اور معاملہ کی حقیقت واضح کردی گئی تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعائیں عاجز وحاجتمندی اور خوف وحزن کی وجہ سے تھیں، محض حکم کی تعمیل کے لیے نہیں تھیں۔بعض امور جو اس فقیر پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں حضور کے حکم کے مطابق کبھی کبھی ان کے عرض کرنے کی گستاخی کرتا ہے۔

---

نوٹ:۔یاد رہے کہ یہ حضرت خواجہ عطار علیہ الرحمہ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ کے خواہرزادہ اور داماد اور خلیفہ مجاز تھے اور حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی رضا واجازت سے، ان کے مسند نشین ہوئے اور سلسلہ کو ترقی بخشی۔ تذکرۃ الاولیاء کے مصنف حضرت خواجہ عطار علیہ الرحمہ ایک علیحدہ شخصیت تھے، ان کا نام فریدالدین عطار علیہ الرحمہ ہے۔

۱۔ امر ادعونی اشارت است: اشارہ ہے اس آیہ کریمہ کی طرف جو کہ سورہ المؤمن پارہ (۲۴) میں واقع ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی فرمایا کہ "تمہارا پروردگار کہتا ہے دعا کرو میرے حضور تو میں تمہاری دعا قبول کرونگا"۔

# العلامة محمد إقبالؒ ونزعته الصوفية

☆دكتور/ ممتاز أحمد السديدي

عرف شاعر الإسلام العلامة محمد إقبال كواحد من كبار المصلحين ورواد الوعى والنهضة الإسلامية في عصرنا الراهن، وقد حظى أدبه وفكره بالقبول الهائل لدى المسلمين وغيرهم من المهتمين بالدراسات الشرقية على اختلاف البلاد واللغات والانتماء ات الدينية، وذلك نظرا لثقافة العلامة محمد إقبال المتنوعة، وعلمه الغزير، وسعة أفقه، ومن المعلوم أن الرجل نهل من ينابيع القرآن، والحديث والفلسفة الإسلامية والتصوف بشغف بالغ وحب شديد، إضافة إلى اطلاعه على فكر فلاسفة الغرب من أمثال هيجل، ونيتشه، وجوته، وشوبنهاور وغيرهم، وهكذا اتسع أفقه إلا أنه لم يتأثر بالفسلفة الغربية، ولم يتزلزل إيمانه القوى بل بالعكس زاد الرجل ايمانا وتمسكا بما تربّى عليه من مبادئ وقيم إسلامية، إضافة إلى أنه: " انطلق بعد عودته من أوروبا يستنهض المسلمين ويدعوهم للنهوض والرفعة والسعى والعمل، كما كان يدعوهم إلى أن يتحدوا" (١).

لقد كان تمسكه بالإسلام شديدا نظرا لميلاده في بيئة دينية ونشأته في أسرة صوفية، يقول الأستاذ عبداللطيف الجوهري عن الوالد التقي الذي أنجب محمد إقبال(٢):

"كان والد إقبال رجلا صالحا طيب القلب ذا شفافية صوفية، فتعمد ابنه وصغيره بالرعاية والتوجيه ومن ثم نشأ إقبال في هذا البيت محفوفا بنور الإيمان، وبرد اليقين، وصفاء العارفين من ذوى القلوب التي تذوب رقة ولينا، وتشيع نورا وحنانا ودفئا".

وإلى هذا الجانب المهم أشار الأستاذ فؤاد شاكر بقوله (٣):" بتوفيق من الله ألقى

---

☆ـ مدرس بالجامعه الهجويريه مركز معارف أولياء داتا دربار لاهور ـ

الشيخ " نور محمد" في نفس ابنه "محمد إقبال" تلك الحبة المباركة التي" انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة ، والله يضاعف لمن يشاء ، إن كلمات الوالد الشيخ لابنه عن الفقر والفقراء كانت بمثابة الشجرة الطيبة ، "تؤتى أكلها كل حين بإذن ربها " . . . أيُّ قائد قدوة ذلك الأب الشيخ؟!! لم يكن من علماء الدين ، وإنما كان تاجرا بسيطا متدينا ، أي كان عابدا ورعا ، يتعامل أولا مع الله قبل أن يتعامل في تجارته مع الناس......لا يتحر في دينه بل يربي تجارته بأخلاق دينه . ورجل هذا شأنه وتلك توجيهاته لابنه لا شك في أنه مربٍ فاضل ، وراع أمين ، ورب أسرة بر رحيم".

إذا كان هذا شان الوالد فكانت أمه " إمام بيبى" هي الأخرى ذا شأن عظيم وتأثير جليل في نفس شاعرنا يحدثنا عنها الدكتور عبدالوهاب عزام قائلا (٤):" وأم إقبال كانت تقية ورعة حتى أنها كانت تتحرج أن تأكل من وظيفة زوجها إذ كان يعمل مع رئيس عرف بأكل الرشوة ، ولم تكن وظيفة زوجها من مال هذا الرئيس ، ولكن كذلك كان ورعها".

وعن هذه الأم التقية والمربية الجليلة يحدثنا الأستاذ فؤاد شاكر بقوله (٥): "تكاد لاتحسن قراءة ، ولا تجيد كتابة ، يبدو على ملامحها الطيبة والسماحة ، يشهد لها جيرانها وأهل الحى بالفضيلة والتواضع وحسن الخلق ، ويصفونها بأنها محسنة كثيرة العطاء ؛ فأحبها الناس حب تقدير وإجلال ، وأحبها أبناؤها حب إعزاز وفخار ، توفيت قبل وفاة والده بست عشرة سنة لكنها رحلت كما قال إقبال فيما بعد . وفي تقديره أنها هي المدرسة الأولى للعقل الوليد ، والحارس اليقظ على ثغور الحياة ترعى بالحب وتوجه في وعى ، لم تنتزع ثقافة العصر المضطرب من قلبها مشاعر الفطرة الإنسانية الصافية ، ولم تقتلع رياح التطور العاتية من نفسها مبادئ الدين وخلقه القويم ، وربما من هنا بفضل هذه الأم الصالحة الطيبة استقر في نفس إقبال وفكره إلى نهاية عمره مبدأ الثبات على قيم دينه وتراث مجتمعه ، مهما تنقل وارتقى في مدارج التعليم الغربي أو حصل على أعلى شهاداته وتقديراته".

وهكذا "كان والداه صالحين تقيين ، فأما أبوه فكان متصوفا عاملا كادحا في

كسب رزقه ، يعمل لدينه ودنياه" (٦) وأما الأم فهي الأخرى كانت عابدة زاهدة ، وتحت ظلالهما الوارفة نشأ وتربى العلامة محمد إقبال، كما أنه تزود بزاد أثمر فيما بعد كله أو بعضه في صنع داعية من دعلة الحق والبر، وفيلسوف يشع بفكره أنوار الحكمة، ومفكر إسلامي يستحث المسلمين ، وشاعر يحلق بأشواقه وكلماته في آفاق البر والخير ، وهكذا سخر الرجل فكره وعاطفته من أجل سعادة المسلمين المأمولة وإصلاح ما اعوجّ من أمرهم .

لقد استهل شاعرنا العلامة محمد إقبال على توجيه من والديه دراستَه النظامية في كُتّابِ الحيّ بقراءة القرآن ، وهكذا اجتمعت التربية الأسرية مع الدراسة النظامية ، هذا وظل شاعرنا محمد إقبال يسعد بتوجيهات وإرشادات من والديه في طفولته والمراحل التي تلتها، "إنه يحكى عن طفولته واعتناء والده بتربيته وتهذيبه وتنشئته على مأدبة الرحمن وآيات القرآن فيقول :تعودت أن أقرأ القرآن بعد صلاة الصبح كل يوم ، وكان أبي يرانى فيسألني ماذا أصنع؟ فاجيبه بأني أقرأ القرآن . وظل على ذلك ثلاث سنوات متتاليات يسألنى سواله فأجيبه جوابى ، وذات يوم قلت له : مابالك يا أبي تسألني نفس السوال وأجيبك جوابا واحدا. ثم لا يمنعك من إعادة السؤال من غيد ؟ فقال :إنما أردت أن أقول لك : يا ولدى إقرأ القرآن كأنما نزل عليك، ومنذ ذلك اليوم بدأت أتفهّم القرآن وأقبل عليه ، فكان من أنواره ما اقتبست ، ومن درره ما نظمت".(٧)

وهكذا وضع الوالد الحكيم اللبنة الأولى في وجدان ابنه البار من أجل تكوين عقلية أوعى ، وبناء شخصية أقوى"وكان الشيخ يريد لابنه أن يعى ما يقرأ،ويفهم ما يتلو... ثم ماذا ؟ ثم يتصور أن هذا القرآن قد نزل عليه هو ، أي أن الله يخاطبه ويدعوه أن يعمل ويكافح ويثابر ، ويتلقى المسولية كاملة ، ويقوم بأعباء أخطر رسالة ، وينهض بأثقل حمل، فلكل مسلم دور كبير إزاء إسلامه ، فيجب أن يؤديه بكل دقة وإخلاص ، فليس الإسلام استظهار متون ، وحفظ حواشٍ بل هو فهم وإدراك ، وصيحة للحق والنور والهداية ، والسيدة عائشة رضى الله عنها تقول عن النبي ﷺ : "كان خلقه القرآن" . وقراءة القرآن في الصباح زاد رائع لا يدركه إلا المجربون ، ونور رزين طهور لا يطرب له

إلا المؤمنون ، إذ أنه يطبع الإنسان بطابع الرقة والحب ، ويبثه هدوءا وأمنا عجيبين !...... لذلك كان إقبال منذ صغره فاحص النظرة ، ملهم الحكم يخترق بثاقب فكره الحجب المتكاثفة ، ويغوص بعقله المؤمن إلى أعماق الحقائق ؛ فلا يقنع بالأصداف والقشور عن الجواهر ولباب الحقائق " . (٨) .

من المعلوم أن والد شاعرنا لم يكن من طائفة العلماء بل كان تاجرا كادحا في كسب رزقه ، إلا أنه كان متصوفا يعمل لدينا وقلبه عالق بذكر مولاه جل جلاله فشرح الله تبارك وتعالى صدره ، وفتح عليه أبواب الحكمة والتي تبدو جليا واضحا من قصة حكاها العلامة محمد إقبال بنفسه قائلا (٩): " وقع على بابنا سائل كالقضاء المبرم ، طرق بابنا طرقا متواليا فثرت غضبا وضربته بعصا على رأسه ، فتبعثر ما جمعه بسؤاله والعقل أيام الشباب لايفرق بين ضلال وصواب . ورآني والدى فاغتم واربد وجهه وتأوه، وسال الدمع من عينيه ، واضطربت روحى الغافلة وطار لبى .

قال أبى : تجتمع غدا أمة خير البشر ، تجتمع أمام مولاها ، ويحشر غزاة الملة البيضاء وحكماؤها والشهداء ، وهم حجة الدين وأنجم هذه الأمة ، والزهاد ، والوالهون، والعلماء والعصاة ، ويأتى هذا السائل المسكين في هذا المحشر شاكيا فماذا أقول إذا قال لى النبى ﷺ: إن الله أودعك شابا مسلما فلم تؤدبه بأدبى ، بل لم تستطع أن تجعله إنسانا .

فتمثل عتابَ النبى الكريم ﷺ ومقامى فى خجلى بين الخوف والرجاء ، تفكر قليلا يا بنى، اذكر اجتماع أمة خير البشرﷺ .

انظر يا بنى إلى شيبى واضطرابى وقلقى ولا تقسُ على أبيك ولا تفضحه أمام مولاه، إن لم تك فى غصن المصطفى فكن وردة من نسيم ربيعه ، خذ من ربيعه نصيبا من الريح واللون، لابد لك أن تظفر من خلقه بنصيب".

"ياله من درس كبير مثير لم يحتجب عن ذهن إقبال في رحلته مع الحياة ، حتى بعد أن ناله منها قدر وافر من الشهرة والنعمة والمجد ، فهو يذكره فى بعض كتبه التى ألفها باللغة الأردوية أو الإنجليزية ، ويذكِرنا معها بقول مأثور للحكيم الزاهد

"ابن عطاء الله السكندري": "رب معصية أورثت ذلاوانكسارا خير من طاعة أثمرت زهوا واستكباراً "وهذا ما وقع للفتى "إقبال" فقد تعلم كيف يحب الفقراء، ثم أدرك كيف ولماذا هم فقراء؟ ثم ارتضى لنفسه كيف يلتزم - مهما أقبلت الدنيا وأعطت وأفاضت - فقر الزاهد العابد، الغنى النفس، العازف بإرادته عن لهو الدنيا ومتاعها وزخرفها "(١٠).

وهكذا كان الوالد الحكيم يسقى ابنه الجرعات النقية التى يتقبلها ابنه بقبول حسن، وهكذا الأبناء النجباء، والصوفي لا يفرض رأيه على أحد حتى ولو كان المخاطب ابنه بل يخاطب القلوب والعقول بالحكمة والفراسة التى تنبع من إيمان صادق " وفي مثل هذا الجو الروحانى الزاخر بالاشفاق من يوم اللقاء، العامر بالحب الخالص لبنى البشر المتأرجح بين الخوف من المصير المجهول، والرجاء في الغد المأمول، في مثل هذا الجو عاش إقبال ينظر فيرى أباه لا يفتأ يتحسس بأنامله المرتعشة الواهنة تلك اللحية البيضاء التى تؤذن باقتراب الرحيل، تنذر باقتراب الرحلة الدنيوية القصيرة، وسرعان ماتحوم في ذهنه مناظر المحشر، ومشاهدة العصيبة التى تنوء تحت ثقلها أقوى قلوب شجاعة، ويتلعثم عندها أقوى الناس فصاحة وبياناً "(١١) وإن الإشفاق من يوم الجزاء أمر مطلوب على الدوام، إذ أنه يورث تقوى الله عزوجل مع الأخذ في الاعتبار أن التقوى يعد من مهمات التصوف .

تشربت روح العلامة محمد إقبال الطاهرة صفا الروحانية منذ صغر سنه، وذلك لنشأته في ظل أبوين صالحين اتصفا بتقوى الله عزوجل وطاعته، وكانا بمثابة مدرسة لابنهما هذا والذى درس فيها مكارم الأخلاق ومحاسن الأعمال فاكتسب صفاء القلب والروح .

درس العلامة محمد إقبال اللغة العربية والفارسية بشغف ونهم فاستطاع أن يطلع على النصين الشريفين بصفة مباشرة، كما أنه أطلع على التراث الصوفي باللغة العربية والفارسية، ومن هنا زاد شغفه بالصالحين، ونجده يمدح العارف بالله السيد على بن عثمان الهجويرى، والشيخ أحمد السرهندى، والشيخ نظام الدين البدايونى،

والشيخ جلال الدين الرومي وغيرهم من الصالحين، وقد بلغ حبه للشيخ الرومي لدرجة أنه وصف الشيخ بالمرشد الرومي ، ولقّب نفسه بالمريد الهندي.

هذا وقد نبه العلامة محمد إقبال في رسالته الموجهة إلى السيد سليمان الندوي على انتمائه إلى الطريقة القادرية (١٢) كما أنه كرر هذا الكلام في رسالته المرسلة إلى الشيخ سليمان الفلواري بقوله (١٣) :"كيف يتسنى لى معارضة التصوف الإسلامى مع انتمائى إلى الطريقة القادرية ".

وذهب السيد نور محمد القادرى إلى أن العلامة محمد إقبال كان مريدا للشيخ سلطان محمود القادري دفين قرية آوان بمدينة كجرات الباكستانية واستدل بأقوال ثلاثة من أهل العلم (١٤) بالإضافة إلى تأييد من الدكتور جاويد إقبال الذي كتب في رسالته الموجهة إلى السيد نور محمد القادري ما يلي : " من المشهور في عائلتنا أنه كان جدى الشيخ نور محمد مريدا للشيخ سلطان محمود رحمه الله تعالى وأنه كان قد اصطحب والدى في طفولته إلى الشيخ سلطان محمود بقصد المبايعة .(١٥) وهذا الأمور كلها أسهمت في تكون شخصية العلامة محمد إقبال وإحكام فكره ، وإيقاظ عاطفته تجاه أمته وشعبه .

لقد كان ميلاد العلامة محمد اقبال في أسرة مسلمة تنحدر من سلالة البراهمة الهنود وقبل ثلاثمائة عام من مولد شاعرنا الحكيم أسلم جده الأعلى على يد رجل صالح من العباد الزهاد، فانتشر الإسلام بين هذه الأسرة البرهمية التى كانت تعبد الأوثان في مجتمع طبقي تتربع على قمته ، وما لبث التوحيد ونور النبى محمد ﷺ أن خالط شغاف قلوب أفراد أسرته حتى وصل إلى قلب شاعرنا محمدإقبال(١٦) وكان قد تصوف جد من أجداد إقبال وكتب في التصوف كتبا بالفارسية (١٧). وهكذا كانت أسرة العلامة محمد إقبال على صلة برجال التصوف ، ولم يكن الشيخ نور محمد (والد العلامة محمد إقبال ) بدعا في الانتماء إلى التصوف ، وقد قام الوالد بواجبه التربوى من منطلق التصوف خير قيام ، لذا نجد ابنه محمد إقبال متحليا بأخلاق فاضلة يحدثنا عنها الدكتور نجيب الكيلانى قائلا(١٨):" لعل من نافلة القول أن نذكر شيئا عن أخلاقه وسلوكه

الـلـذين انطبعا بنشأته الدينية ومدرسته القرآنية ، وأسرته المؤمنة المتصوفة ، فكان سمحا هـادئا معوانا ، رقيق الحاشية ، طيب العاطفة ، واسع الصدر ، يحترمه الجميع ،ويجلُّه كل من اتصل به وعرفه حتى أساتذته".

لـقـد كان العلامة محمد إقبال يدعو المسلمين على بصيرة إلى العمل للحياتين الـدنيـوية والأخروية ، فلا انكباب على الحياة الدنيوية المادية فقط ، ولا هروب من آلام الـحياة الـدنيوية إلى الـحياة الأخـروية بـل الـوسـطية والاعتـدال فـي الجمع بينهما هو الـمـطـلوب لمصلحة الفرد والمجتمع ، وعن وجهة العلامة محمد إقبال الصوفية يحدثنا المفكر الإسلامي الكبير الأستاذ عباس محمود العقاد بقوله (۱۹):" صوفى على الطريقة الـوسـطـى أو زعيـم من زعماء العمل بين العدوتين من الدنيا والآخرة ؟ قوام بين العالمين كأحسن ما يكون القوام ، وحيثما انقسمت الصوفية قسمين كان إقبال إلى جانب أفضل القسمين وأصلحهما للعمل وإذكاء النخوة وشحذ الهمة وإيقاظ الضمير.

هناك الصوفية التي تؤمن بالثبوت، والصوفية التي تؤمن بالفناء ، في أي الجانبين إقبال؟ في جانب الثبوت.

وهناك الصوفية التي تحسب العالم وهما باطلا وخدعة مزدراة ، والصوفية التي تـرى فـي العالم مظهرا لجمال الله ، وإرادة الله ، وحكمة الله ، في أي الجانبين إقبال؟ في جانب الحكمة والإرادة والجمال .

وهـنـاك الـصوفية التي تقول للحياة "نعم" والصوفية التي تقول للحياة "لا"، فى أي الـجـانبيـن إقبـال؟ فـي الـجانب الذى يقول "نعم " ويؤكد "نعم" ويعيدها مع النعمة والنعيم .

إن أمثـال إقبـال أجـمل مثال للعمل بين الواقع والخيال، وإنه لهزيل ذلك الرأى الذى يقول : إن العمل يستغنى عن الخيال ، أو أن الخيال من صفات الحالمين وليس من صـفـات العاملين العالمين . كلا . لا يستغنى العمل عن الخيال ، ولا يستغنى الخيال عن الـعـمـل ، فـقـد كـان كـل عـمل عظيم خيالا كبيرا قبل أن يبرز ويستقر به القرار في عالم الأعمال.

... وهكذا تكون العظمة التى تُحيينا ، ويحق علينا أن نتذكرها بالتحية والإحياء . عظمة صوفى يعمل ، وعظمة عامل يتصوف ، عظمة عالم يثير النفوس بالأحلام ، وليس بحالم فى المنام أو قاعد محفل من الزحام ".

لقد كان شاعرنا العلامة محمد إقبال اشتهر بنزعتة الصوفية فى حياته، يقول الدكتور عبدالوهاب عزام (٢٠): "سمعت وأنا فى بلاد الإنكليز قبل وفاة الشاعر بأكثر من عشر سنين أن فى الهند صوفيا اسمه إقبال ، له نظرات في التصوف ، وله فلسفة في النفس ، وأن ذكره جاء في بعض المجلات الأوربية ، وكلامه نشر فيها ، وأنا نزاع إلى الصوفية منذ نشأت".

أحس شاعرنا المفكر أن بعض الصوفية فى عصره يرون الإنطوائية والهروب من آلام الحياة تصوفا ، وكل ذلك تحت شعار "الفقر" فأقدم الرجل على تجلية معنى الفقر الأمر الذي أشار إليها الأستاذ فؤاد شاكر قائلا (٢١) " أيُّ فقر نرتضى وأى فقر يخجل ؟ [ثم قام بالرد على السؤالين بقوله]: بعد رحلة في الزمان والمكان من سيالكوت عام ١٨٧٧م إلى لاهور عام ١٩٣٨م يكون حصاد الفكر والتأمل والتجربة منذ التنشئة :

| | |
|---|---|
| فقرنا ليس برقص أو غناء | ليس سكر النفس في موت الرجاء |
| فقرنا معناه تيسير الجهود | فقرنا معناه تسخير الوجود |
| فقرنا الهادى سراج لوظهر | يُخجل الشمس ويُزرى بالقمر |
| إنه إيمان بدر وحنين | إنه زلزال تكبير الحسين |

هو إذن فقر الأنبياء والرسل سلام الله عليهم ، وهم الصفوة المختارة من كل البشر ، حملة الرسالة ، وأنوار الهداية وخاتمهم المثل البشرى الأعلى محمد صلوات الله عليه .

| | |
|---|---|
| فماذا كان مجلسه ؟ | صفاء ، والبساط حصير |
| وماذا كان مطعمه ؟ | رغيف من دقيق شعير |
| وماذا كان ملبسه ؟ | قماش لم يكن بحرير |
| غنى عن جميع الخلـ | ق لكن للإله فقير |

إنه فقر الإنسان إلى ربه خالقه ورازقه ، أما عندالناس فهو الغنى مهما قل ما

يملك أو كثر، ولكي يكون غنيّ النفس عالي اليد لابد وأن يعمل، وأن يسعى، وأن ينتج، ويجب أن يكون للمسلمين نظام اقتصادى متحرر من ضغوط السيطرة الأجنبية المؤتمرة بهم، هذا واجب لابد حتما ولزاما أن يسعى المؤمن إلى تحقيقه، وعلى المجتمع الإسلامي كله أن يؤازره وإلا فلاخير في إيمان يُفضي إلى المذلة والهوان.

| | |
|---|---|
| المؤمن المقدام يمضي قاهرا | في عزه الإقدام دون توانى |
| وإذا انحنى للذل أمسى كافرا | بالله أو بكرامة الإنسان |
| لا يترك الدنيا تعيش وشعبه | فيها قتيل القهر والحرمان |
| مَن شاب في نسج الحصير فما له | يوما إلى نسج الحرير يدان |
| والذئب يأكل "يوسف" خيرا له | من أن يباع لتاجر العبدان |

وإقبال ... يتعلم منذ الطفولة الباكرة أن القناعة تأتي من القدرة، وأن الزهد يكون لمن يملك، فما فضل العاجز الكسول المحروم في رفض أو إباء؟ يقول إقبال:

| | |
|---|---|
| أيها الناصح ليلا ونهارا | داعيا أن نترك الدنيا احتقارا |
| إن معنى تركها تسخيرها | في سبيل الخير لا تدميرها" |

إنها نظرة العلامة محمد إقبال إلى الفقر الذى اشتبه على بعض الصوفية وقد بين الفقر المذموم والفقر المحمود، وللعلامة محمد إقبال نظرية أخرى والتى سميت "بنظرية الذاتية" ورأى أنها عصارة فكره، وخلاصة تصوفه فإنها قابلة لاستنهاض الأمة الإسلامية، والصوفي الحق لا يبتغي النجاة لنفسه فقط بل يبتغيها لأمته جمعاء، ولنستمع إلى الدكتور محمد حسين هيكل إذ يلقي الضوء على الذاتية لدى العلامة محمد إقبال، إنه القائل (٢٢):" والنظرية التى ابتكرها تفكير إقبال وأضفى عليها خياله الشعرى إبداعا وجمالا و قوة، هى نظرية الذاتية، ومدلول الذاتية عند إقبال يختلف عن مدلولها عند غيره، الذاتية عند بعضهم هى الأنانية التى تجعل الفرد لايفكر إلا في نفسه، والذاتية عند البعض مصدر الشرور، لأنها تُغرينا بالتماس ملاذ الحياة وأهوائها، أما عند إقبال فالذاتية تختلف عن هذا التصوير أشد الاختلاف، الذاتية عنده الروح المنشئ الذى أودعه الله الإنسان وجعل العمل والدأب فيه وسيلتنا إلى انتشار هذه الروح فيما حولنا وإبراز ما

تنطوى عليه نفوسنا من قوة وخير ، وكما ينمو جسمنا حتى يبلغ كماله ، وكما تزهر الشجرة وتثمر كذلك يجب أن تنمو الذاتية حتى تبلغ كمالها ، ويجب أن تزهر وتثمر وهى لا تنمو بحكم الطبيعة كما ينمو الجسد بل تنمو بالسعى والعمل الدائب الذى لاينقطع ، ونموها وازدهارها وإثمارها هو الذى يجعل للحياة قيمتها ، وهو الذى يُنشئ في الحياة جديدا ، وهو الذى يُضفى علينا القوة ، ويُجنبنا تحكم الغير فينا، أما القعود عن العمل فيجعلنا عالة على غيرنا نتسول من فضله ونصبح أذلة له ، ونفقد بذلك حريتنا . هذه الحرية التى هى ملاك الذاتية ، والتى تتيح لنا القوة على الحياة والتسلط على الطبيعة، وهى التى تجعل الفرد الموهوب لا يقف بجهاده في حدود شخصه بل يبذل جهده للارتقاء بمجتمعه عن طريق الدعوة إلى الحق ، ودعوة يستهين في سبيلها بكل تضحية ؛ لأن التضحية في سبيل الحق تزيده نصرا وتعزيزاً ".

وللعلامة محمد إقبال رأى في الفنون والشعر ، وهذا الرأى تعكس رؤيته الصوفية إلى بعض الأعمال الفنية والشعرية، يسلط فضيلة الأستاذ الدكتورعبدالمنعم خفاجى ضوء اعلى هذا الرأى بقوله(٢٣):"ومذهب اقبال في الفنون عامة أنها تهدف إلى أن يتخلق الإنسان بأخلاق الله ، ثم يحقق خلافة الله فى الأرض ، وهى تقوم بقوة النفس التى أنشأتها وقوة إيحائها وتأثيرها في الطبيعة والإنسان ، فكل فن اتصل به الضعف من جانب من جوانبه فهو فن لا قيمة له ، ولا نصيب له من الخلود . ويرى إقبال أن الشعر جمال وجلال ، وأنه حياة وأمل ، وأن الشاعر الحق يدعو أمته إلى الجمال والخير والقوة ، ويحدوها إليها وينادى بها إلى المجد وعظمة المبادئ التي يؤمن بها الإنسان . "

إن الحديث عن العلامة محمد اقبال وتصوفه حديث شيق لايمل منها إنسان مهما طال الكلام، ولا يمكن الوفاء بهذا الجانب من فكر العلامة محمد إقبال في مقال موجز، بل نجد أن هذا الموضوع بحاجة إلى المزيد من الدراسة والبحث في مجلدات عدة ، إلا أننا نكتفي بهذا القدر من السير في وجدان الشاعر المفكر والتمتع بأفكاره الرائعة ، وتصوفه المستمد من النصين الشريفين، ونختتم حديثنا بما قاله الأستاذ الدكتور

محمد عبدالمنعم خفاجي عن شاعر الإسلام العلامة محمد إقبال وتصوفه وريادته، إنه القائل (٢٤) : "وإقبال رائد من رواد الإسلام في العصر الحديث، وعلم من أشهر أعلامه، وقد ملأته ثقافته الشرقية والغربية، وصوفيته وخبرته وتجاربه ورحلاته إيمانا بوجوب البعث لشعوب الإسلام، وبأن مبادئ الإسلام وحدها هي سرُّ البعث، بل هى التي في استطاعتها بعث الروح والحياة في جسم الإنسانية المريضة المتداعية، وقد أقبل إقبال على دعوة الشعوب الإسلامية إلى الاتحاد وتكوين رابطة لها تكون قيمتها ومبادؤها بمثابة النور الذي يهدى العالم إلى الحق، والخير، والجمال، والقوة، والحرية والإخاء".

وفي نهاية المطاف وختام الكلام أسأل الله عزوجل أن يجزى العلامة محمد إقبال خيرا عن الأمة الإسلامية، وأن يحقق آمال شاعرنا وأحلامه في أمته المنكوبة المقهورة، كما أسأله أن يجعل هذا العمل خالصا لوجهه الكريم، وصلى الله تعالى على حبيبه خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

# مراجع البحث


١ـ "محمد إقبال المفكر الإسلامي والمصطلح الاجتماعي" بحث علمي للأستاذ الدكتور أحمد عمر هاشم ضمن الكتاب مقالات عن اقبال للأستاذ الدكتور محمد السعيد جمال الدين ، والأستاذ الدكتور أمجد حسين سيد أحمد ، ط: القاهرة ، ص٤٨ .

٢ـ مع إقبال شاعر الوحدة الإسلامية ، للأستاذ عبداللطيف الجوهري، ط: مكتبة النور بالقاهرة ١٤٠٥هـ ، ص ١٧ .

٣ـ حصاد القرن العشرين رجال صاغوا القرن العشرين ، للأستاذ فؤاد شاكر ، ط : الهيئة المصرية العامة للكتاب ٢٠٠٣م ، ص ٢١٢، ٢١٥ .

٤ـ محمد إقبال سيرته وفلسفته وشعره ، للدكتور عبدالوهاب عزام ، ط : مطبعة مصباح بالقاهرة ١٣٧٣ه ، ص ١٨ .

٥ـ حصاد القرن العشرين ، للأستاذ فؤاد شاكر ، ص ٢١٥، ٢١٦ .

٦ـ محمدإقبال سيرته وفلسفته وشعره ، للدكتور عبدالوهاب عزام ، ص ١٧ .

٧ـ مع إقبال ، للأستاذ عبداللطيف الجوهري ، ص ١٨ .

٨ـ إقبال الشاعر الثائر ، للدكتور نجيب الكيلاني ، ط: مؤسسة الرسالة ، بيروت، ١٤٠٠هـ ، ص٢٤،٢٥ .

٩ـ محمد إقبال سيرته وفلسفته، للدكتور عبدالوهاب عزام ،ص ١٧ .

١٠ـ حصاد القرن العشرين ، للأستاذ فؤاد شاكر ، ص ٢١٠ .

١١ـ إقبال الشاعر الثائر ، للدكتور نجيب الكيلاني ،ص١٦،١٧ .

١٢ـ مكاتيب إقبال ، ج ١، ص٧٩.

١٣ـ أنوار إقبال ، ١٨ .

١٤ـ انظر : آئينۂ إقبال ، لعبدالله القرشي ، ص ٢٥٤ ، مطالعۂ اقبال ، للأستاذ كوهر نوشاهي ، ٣٦، ٣٧ ، زنده رود ، للدكتور جاويد إقبال ، ص ٦٠ .

١٥ـ قاضي سلطان محمود آوان شريف ، للسيد نور محمد القادري ، ص ١٢ .

١٦ـ مع إقبال ، للأستاذ عبداللطيف الجوهري ، ص ١٨ .

١٧ـ "إقبال شاعر الإسلام" بحث علمي للدكتور محمد حسين هيكل ضمن الكتاب : إقبال العرب على دراسات إقبال ، للأستاذ الدكتور ظهور أحمد أظهر، ط: المكتبة العلمية، لاهور، ١٣٩٧هـ ، ص ٨.

١٨ـ إقبال الشاعر الثائر ، للدكتور نجيب الكيلاني ،ص٢٥ .

١٩ـ "فريضة إنسانية"، بحث علمي للأستاذ عباس محمود العقاد ضمن الكتاب: إقبال العرب على دراسات إقبال ، للأستاذ الدكتور ظهور أحمد أظهر ، ص٤،٥.

٢٠ـ محمد إقبال سيرته وفلسفته للدكتور عبدالوهاب عزام ،ص ١٤ .

٢١ـ حصاد القرن العشرين ، للأستاذ فؤاد شاكر ، ص ٢١٣،٢١٤ .

٢٢ـ "إقبال شاعر الإسلام" بحث علمي للدكتور محمد حسين هيكل ضمن الكتاب : إقبال العرب على دراسات إقبال ، للأستاذ الدكتور ظهور أحمد أظهر،ص٨.

٢٣ـ الأدب في التراث الصوفي ، للأستاذ الدكتور محمد عبدالمنعم خفاجى ، ط: مكتبة غريب ، بالقاهرة ، دون سنة الطبع ، ص ١٦٣ .

٢٤ـ المرجع السابق ، ص ١٦١ .

lack of leadership and negative influences of foreign cultures, we should emphasis on the message of great Sufi scholars.

The poetry of Allama Muhammad Iqbal provides us not only the guideness to the message of the great Sufis but also provides us the antidote to the destructive emotions. It is our duty to read his message in a way that we could cater the destructive emotions of the different elements of the society.

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

## *Bibliography*

1. *Kuiliyat-i-Iqbal,* (Urdu and Persian)
2. *Noor-i-Baseerat* ,an essay by Mian Abdur Rashid, Daily Nawa-i-Waqt, Lahore
3. Reconstruction of Religious thoughts in Islam-------A book of Allamma Muhammad Iqbal.

Sometime the custodians, the Sufi keeping, the tradition alive of enjoying kindness to the young, generosity to the poor, good counsel to friends forbareness with enemies, sanctuary to the troubled and respect to the learned.

## The Antidot:

In other words the Sufi poetry and the Sufi shrines are performing as the antidotes to the destructive emotions of the elements of Pakistan society.

As Allama Iqbal quotes the message of the Rumi رحمۃ اللہ علیہ in his address, "the conception of God and the meaning of prayer":

دفتر صوفی سوا دو حرف نیست

جز دل اسپید مثل برف نیست

زادِ دانشمند آثار قلم

زاد صوفی چیست آثارِ قدم

ہمچو صیادے سوئے اشکار شد

گام آہو دید و بر آثار شد

(*The Sufi's book is not composed of ink and letters. It is not but a heart white as snow. The scholar's possession is pen-marks, what is the Sufi's possession? Footmarks. The Sufi stalk the game like a hunter. He sees the Musk-deer's track and follow the foot prints. It means the Sufis have much effective ways than the scholars*).

If we want to cater the destructive emotions like extremism, intolerance, Nepotism, sectarianism, anger, tratorship,Brain Drain,

*Bu-Lahabi(the un -believer) although one claims for Muslimhood*).

Here we find another strong reference of Allama Iqbal on which the whole philosophy of the Iqbal relays, that is the love of Holy Prophet Hazrat Muhammad(ﷺ). And I think Allama Iqbal use this strong reference for differeciating the different emotions and ideologies.

Strong love for Hazrat Muhammad(ﷺ) is the real gist of old and popular Islam. This form of popular religious expression is also ferociously opposed by the most infant sects and sections of extremist Islamic groups in Pakistan for almost the same reason.

## Base for the Moderate Pakistan:

However neither sheer opposition of the extremist nor the destructive emotions of ubran intellectuals has changed the quality or texture has changed the quality or texture of the broad based organic system of popular Islam that is still the quarantor of a moderate and tolerant Pakistan. This organic system has contributed to keep forces of destructive emotions and violence at bay by virtue of its sheer size and roots in the people of Pakistan. Popular Islam combines the Sufi spirit with centuries-old cultural systems of survival that all humanity practices. It center on the Sufi poetry and Sufi shrines that dot the entire country. Unlike most other places of worship, most of these shrines are open at all times to the people of all belief systems regardless of origin, age or gender.

bases of religion, as he said:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن ہے اس کا وہ مذہب کا کفن ہے

(*The motherland is one of the great gods of the time and its beautiful garments are infect the coffin of the religion*). Means, the nations are built on religions, not on the basis of state or motherland. For this purpose he opposed the great muslim scholar, who was at the opinion of nationalism on the basis of motherland or state. Allama Iqbal addressed this kind of ideology by saying this:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است!
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد ﷺ عربی است
بمصطفیٰ ﷺ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است!

(*The world still doesn't understand the secrets of religion even the religious scholar Husain Ahmed from Deo-Bandi sect couldn't understand the Islam in its real sense. How strange it is that he said that nations stand because of the state, basically he is unaware with the real status of the Holy Prophet (ﷺ) that he was from Arab but had given the message of Islam to the rest of the world regardless of any distinguishness of country or motherland. Following and love of the Holy Prophet(ﷺ) is the real gist of Islam. If you don't have love of Holy Prophet Muhammad(ﷺ), then it is all*

10: They are deprived from the honorable offspring. The existence of life in their body is like the deceased in grave.

11: Their old persons don't have any sense of piety and their young boys decorate themselves like the women.

12: These young boys don't have constant nature, their mothers have given them birth in a way that their souls are dead.

13: The girls of such nation of destructive nature, are blunt, selfish and eager to showoff themselves and are inspired from the thinking of others.

14: These girls are desired to be involved in love with others and are liked most to always beautify themselves. Their eyebrows are just like the swords.

15: This sort of nation always feel proud on its past events, but they have only stories and don't have any practical in life.

16: Shame on that nation who turned its face from religion, and who has died but has no recognition of its death.

The message of Allama Muhammad Iqbal invites its readers to judge every sort of ideology, theme and philosophy and it doesn't reject the involvement of brain and under this idea the message of Allama Iqbal also examines the religious experience.

Allama Iqbal started the discussion of religion in that era when European philosophy had shown doubts for religion. Allama Iqbal under the guidance of spiritual messages of Sufi-Islam done a successful effort to up bring the confidence of religion even he considered it more essential against the scientific experience and the nationalism. Allama Iqbal constructed the realm of nationalism on the

۱۵۔ از نیاگاں دفترے اندر بغل　　الاماں از گفتہ ہائے بے عمل!

۱۶۔ آہ قومے دل ز حق پرداختہ　　مُردو مرگِ خویش را نشناختہ

**Translation:**

1: I have already been explained the psychology of righteous people, now try to understand the strategies of jealous and destructive people.

2: Destructive people have the diplomacy to create decisive formations, means they destroyed the soul and beautify the body.

3: They introduce religionless policy, away from the place of love and honour.

4: They introduce such a curriculum of study for the new ge--neration by which youngsters could only be able to serve their masters from their entire nature.

5: Scholars generate new concepts from the sayings of Holy Prophet (ﷺ) according to the wishes of their lords and gave a new touch to the religion for pleasing their lords.

6: Strategies of the Pharaoh destroy the unity of the Nation. The baton of the Moses is the only treatment for these sorts of strategies.

7: A great misfortune for that nation, who under the foreign influences destroyed themselves and build others.

8: That nation might be gotton the high ranks in Arts and Science but could not see their own future.

9: Remove the imprint of the name of Allah from your fingerring, high desires are often born and died in their inners.

*What is the definition of the Love?-------A base for the book*).

Allama Muhammad Iqbal feels the necessity of righteous people with a positive and good character as he said:

سپاہ تازہ بر انگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

(*I am recruiting a new force from the realm of Love, because the endanger of rebellion of knowledge in the Harum is high*).

Further under the head of ***"Hikmat-i-Firaoni"*** or **Pharaoh's Strategy**, Iqbal successfully explained the destructive emotions;

حکمتِ فرعونی

۱۔ حکمتِ اربابِ دیں کردم عیاں — حکمتِ اربابِ کیں را ہم بداں
۲۔ حکمت اربابِ کیں مکر است و فن — مکر و فن؟ تخریبِ جاں تعمیرِ تن!
۳۔ حکمتے از بند دیں آزادۂ — از مقامِ شوق دور افتادۂ
۴۔ مکتب از تدبیر او گیرد نظام — تابکام خواجہ اندیشد غلام!
۵۔ شیخِ ملت باحدیثِ دلنشیں — بر مراد او کند تجدید دیں
۶۔ از دم او وحدتِ قومے دونیم — کس حریفش نیست جز چوبِ کلیم
۷۔ وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر — کار او تخریبِ خود، تعمیرِ غیر
۸۔ می شود در علم و فن صاحب نظر — از وجود خود نگردد باخبر!
۹۔ نقشِ حق را از نگینِ خود سترد — در ضمیرش آرزو ہا زادو مُرد
۱۰۔ بے نصیب آمد ز اولادِ غیور — جاں بہ تن چو مُردۂ در خاکِ گور
۱۱۔ از حیا بیگانہ پیرانِ کہن — نوجواناں چوں زناں مشغولِ تن
۱۲۔ در دلِ شاں آرزو ہا بے ثبات — مردہ زایند از بطونِ امہات
۱۳۔ دخترانِ او بزلفِ خود اسیر — شوخ چشم و خودنما و خردہ گیر
۱۴۔ ساختہ ، پرداختہ ، دل باختہ — ابرواں مثلِ دو تیغ آختہ

classes, races and the followers of different creeds or sects while studying his writings.

As Allama Iqbal stated in this verse;

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(*Although, they both fly in a same style, in the same atmosphere, but psychologically vulture and eagle have their own nature separate*).

Allama Iqbal appreciates the acquiring of knowledge and righteous wisdom, no matter from wherever it gets. Even he does not reject the good things of West as he given the guidance for a modern and enlightened Muslim in his following message:

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنوں
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال
عجم کا حسن طبیعت ، عرب کا سوز دروں

(*May I tell you the main ingredients of the life of an ideal Muslim. These are the deep meditation and high level of enthusiasm. The estheatic sense of angle Jibrail*علیہ السلام*(that Jibrail's place is the Doormat of the Holy Prophet* ﷺ*), sense of beauty from the West and the sense of feeling pains from the East*).

Knowledge of the affairs of both the words and the Love of Allah are both linked with the Holy Qur'an, as described by the Iqbal:

صرع    علم ہے ابن الکتاب ، عشق ہے ام الکتاب

(*What is the definition of the knowledge?------A byproduct of the book,*

that is to be the friend of Allah, because this is a relation of power and authority and goodness, no bad man, bearer of destructive emotions, could be a friend of Allah.

Allah, in the Holy Qur'an appreciate those faithful persons who have the strength of overcome on their anger. Holy Prophet Hazrat Muhammad(ﷺ). provided a complete course of applied knowledge to his companions(Ummah) and even provided them a successful example to them in his Holy Personality, when he was being facing hate, jealousy, sorrow and finally the enmity of his own tribe and family members while preaching the Oneness of God to those who were the worshippers of the hundreds of manmade gods, Holy Prophet(ﷺ) never ever expressed anger to them and forgave them all who were his worst enemies.

Allama Muhammad Iqbal had discussed the feelings of every era and every class of society in every day life. He also discussed the opportunities of awakening, the paths into the soul and brain and the ways of optimism.

Sometimes he only discussed the society and its culture and at times he discussed an alone man or an ideal Muslim. He also used the examples of different dynamic phenomenon of nature to boost the morale of his ideal reader and sometimes for this purpose, he elaborates the habits of Eagle, Lion, Cheetah, Nightingale,Vulture etc.

By all this exercise, Allama Iqbal provided an opportunity to his readers to compare the different emotions of different cultures,

prevailing of wrong ideas etc. If not properly handled, fear can lead to social problems. People who experience intense fear have been known to commit irrational or dangerous acts.

**Terror:** Terror refers to a pronounced state of fear, where someone overwhelmed with a sense of immediate danger.

**Sorrow:** Sorrow is any unwanted condition and the corresponding negative emotion. Releated terms are sadness, suffering and grief. Any condition can be suffering or sorrow if it is unwanted and against the set standards.

**Anger:** It is an emotion of displeasure, usually regarding an act or idea of another person. Sometimes a person feels angry with him or herself for having acted stupidly or badly, etc. Anger involves a sense of wrongedness, outrage, frustration, irritation or violent conflict. It is a kind of destructive emotion and strongly condemn in Islam.
Allah in Holy Qur'an said:

والکظمین الغیظ والعافین عن الناس-

And on an other place:

ان اولیاء الله لا خوف علیهم ولا هم یحزنون-

( *No doubt, that the Friends of Allah have no fear and no sorrow*).

Fear relates to the future course of action and the sorrow represents the deeds of past, it means friends of Allah are those faithful people who have clean past and fare presents and in the result of this they have clear and fearless future. In the above verses, Holy Qur'an is teaching us the secret of constructive and positive emotions

prevailing in his time. There are basically the emotions who create an environment.

## The Emotions:

No aspect of our mental life is more important to the quality and meaning of our existence than emotions. Psychology and more recently evolutionary biology have offered a number of theories of emotions, stressing their function in the conduct of life.

Emotion is critical to our motivation. It is emotion who moves and compels us to action. Specific emotional response may be influenced by cultural and political norms.

## Destructive and Constructive Emotions:

**Destructive emotions** are those, which are harmful to the society, to any individual or to oneself, and the **constructive emotions** are those. which are against the destructive emotions.

Humans can experience such a wide range of emotions: many have developed schemes for classifying emotions so that it can be better understood. Basically there are four basic states i.e:

i- Fear ii- Sorrow

iii- Joy iv- Anger.

**Fear:** Fear is an unpleasant feeling of perceived risk or danger, real or not, fear also can be described as a feeling of extreme dislike to some conditions or objects, such as; fear of ghost, fear of

During 1936-37,Allama Iqbal and Muhammad Ali Jinnah came into close contact politically. In a series of letters to Jinnah, Iqbal pressed the view that the creation of a separate Muslim state was the only feasible solution for the Muslims and for peace in India. Basically the Pakistan Movement infect was a Peace Movement, a movement which introduced to the millions of Muslims with harmony and peaceful living and taught to the other communities of subcontinent the art of living like a good neighbours and self-respect for each others. Making of Pakistan destroyed the emotions like "*Banday Matrum*", "*Raj karay ga Khalsa*", "*Quit India*" and so many other emotions of those Muslim leaders who have an alliance with Indian Congress latter Jinnah acknowledged that the set standards of Allama Iqbal finally led him to the same conclusions.

All discussion of Allama Iqbal's political activities and his contribution to Muslim political awakening must begin with the remark that Allama Iqbal was in no sense a politician. He was essentially a Sufi Scholar and a social or political reformer. In both fields, he achieved high mark. It is perhaps correct to say that his socio- -philosophical and Sufi-poetical utterances became a mixture of the two blended into a political mysticism transcending them both.

Although Allama Iqbal was mainly pre-occupied with his literary activities, a sensitive mind like his, could not remain unconcerned with what was happening around him in the field of politics and social environment or particularly the altogether emotions

on the basis of "the unity of language, race, history, religion and identity of economic interests" and that in the best interests of both the India and Islam. Perhaps it was practical step of Allama Iqbal to defeat the destructive emotions of British, Hindus as well as those distinguish Muslim Scholars who at that time were on the side of Congress. Even having great knowledge of religion, they were expressing destructive emotions.

Basically these opposing religious Muslim scholars were representing the newly crafted sects of Islam with an alien psychology. That is why their hate, jealousy and sorrow against the years old & already existing Islam in India was a natural behavior from them, and Allama Iqbal "belonged to the Muslim League" was only supported by the followers of popular Islam, especially the Sufis (Sunni Conference) that is why the opposition of *Jamat-i-Islami, Jmait-i- Ulemai-Hind* and *Khaksar Tehreek* etc. was a result of their inner emotions which latter amalgamated with the emotions of British and Hindu Congress given a tufftime to the Muslim League in creation of Pakistan.

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

Here Allama Muhammad Iqbal address the Muslim scholars of his time that what happened if you passes the divine wisdom and knowledge. If these are not helpful for solving the problems of Ummah, then these are all in vain.

*(This anthem of La-Ilaha IL-lallah is not season oriented, you may sing it in any phase of life and be benefited from it).*

The aftermath of the war of Independence of 1857 had kept the ruling Muslims sad, sullen and inactive. Sir Syed, who learnt and taught the people that it was necessary for the Muslims to be educated that they must be able to keep pace with other people in the race for self-realization and self-assertion. Allama Iqbal follows the footstep of Sir Syed. He was a great fighter against the destructive emotions prevailing in his society. He pointed out the constructive and destructive diplomacies of the rulers of the past and present. He did a great struggle for awakening the whole Muslim Ummah against the destructive emotions of its enemies and of its ownself.

## Political stand and standards of Allama Iqbal

In his time Allama Iqbal judged that Hindu-Muslim Political complex can not be defined as constituting a single nationhood. In the past, the two communities were divided against one another. There were no indications of any will to merge their identities in the future.

Allama Iqbal's address at Allahabad was significant pronouncement against the destructive emotions "of the era" against the Muslims of subcontinent and a forecasting of the "Two-Nation Theory" which had been finally developed by Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah.

Allama Iqbal demanded "the creation of autonomous states"

"knowledge and religious experience",

"the conception of God and meaning of Prayer",

"the human ego".

"predestination and free will",

"the spirit of Muslim culture" and

"the principle of movement in Islam (*Ijtihad*)".

## Allama Muhammad Iqbal------In service of Ummah:

As said by Allama Iqbal:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری ، نفس میرا شعلہ بار ہوگا

(*I will take out my damaged caravan in the darkness of night. My sigh will release sparks and my breath will produce flames*).

Allama Iqbal had taken a bold decision about his future course of action by keeping in view the prevailing circumstances. he had decided to lead the Muslim Ummah and help the rest of the suffering humanity to come out from the darkness of slavery of destructive emotions of other inner selves and from their outer enemies too.

He urged to rise the slogan of "***La-Ilaha IL-lallah***", لا الٰہ الا اللہ (There is no God except Allah) means left all the fears (an emotion of destruction) and depends on only one Allah, the Lord almighty and be bold and courageous (a constructive aptitude):

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ

*Isfahan. But I must say that although Urdu has sweetness in it but the Persian has a very different taste).*

On another place, Allama Iqbal said the following;

پارسی از رفعت اندیشہ ام　　　در خورد بافطرت اندیشہ ام

(*Persian is the only language who has the capacity to express my views and thoughts*).

Further, it is the blessing of Persian language who successfully broadcast the message of Allama Iqbal to the entire Islamic world especially to the countries like Iran, Afghanistan, Tajikistan, Uzbekistan Turkmanistan, Azerbaijan and the Chinese province Xingjian, where Persian is successfully understood. But what is the level of Persian understanding in Allama Iqbal's own dreamland, Pakistan. It is point to ponder, that how could we communicate the essence of the message of our national thinker to the rest of the Pakistani nation,without understanding the Persian.

## His Urdu Work:

His first book of poetry in Urdu "***Bang-i-Dara***" was appeared in the year 1924 and "***Bal-i-Jibril***" and "***Zarb-i-Kalim***" in 1935 and 1936 respectively.

"**The development of metaphysics in Persia**" and "**The reconstruction of the religious thought in Islam**" are the two books of Allama Iqbal written in English, the second one was published by Oxford University Press in 1934. Its main subjects are:

the Islamic way of Life. "***Payam-i-Mashriq***" (1923) is an answer to the famous German poet Goethe, and he reminded the West, the importance of the morality and religion.

His another book of poetry "*Zabūr-i-Ajam*" appeared in 1927, Allama Iqbal declared it a prime book of him. In "*Javed Namma*" (1932), Iqbal speaks to the young generation discussed the several problematic emotions of life and provided their answers too. His two other books of poetry"***Pas cheh bayed kard ai aqwam-i-sharq***" appe--ared in 1936 and "*Armughan-i-Hijaz*" in 1938.

All these books were in Persian. Allama Iqbal given immense weightage to Persian language. As he himself described that the Persian is still a language of the literary and elite class of the subcontinent, that is why I choose Persian for conveying my ideas to the learned and authoritative people of my time, general public don't have such literary background and capacity to understand my themes, so, I deliberately try to express my prime views in Persian language. Allama Iqbal also explained these ideas in his following verses;

ہندیم از پارسی بیگانہ ام　　ماہ نو باشم تہی پیمانہ ام
حسن انداز بیان از من مجو　　خوانسار واصفہان ازمن مجو
گرچہ ہندی درعذوبت شکراست　　طرز گفتار دری شیرین تر است

*(I am belonging to the Indian subcontinent and don't have the perfect sense of Persian language. My cup is still empty like the new crescent. That is why don't try to search those high standards of Persian language in my writing which is the specialty of the Sar and*

University of Munich and was called to the Bar in London.

Soon after his return to India, he established a legal practice at Lahore but after a few years he abandoned it. Even in these years he applied his energies more to philosophical and literary studies than to his legal practice. He worked in these fields attracted favourable noticed and in 1922 the honor of knighthood was confirmed upon him by the British Government.

A few years later he entered politics on the provincial level but he had little taste for political life and he did not allow it to interface seriously with his literary activities. Not many people know that Iqbal's first published book was in Urdu but not on Philosophy. It was called "***Ilmul- Iqtisad*** "(the Knowledge of Economics) and was among the first books on Economics written in Urdu. It was published in 1930 as he himself described in its preface:

"My aim in writing these pages is to explain in an intelligible the most important principles apply to the present condition of India..."

For lack of interest or sheer neglect, the original print of the book seems to have become extinct. Even the famous Punjab Public Library and the library at *AIWAN-I-IQBAL* Lahore don't have the original piece of this book in their record.

His first book on poetry "***Assrar-i-Khudi***" was appeared in 1915, Allama Iqbal has explained his philosophy of "Self-awareness" in this book. The second one "***Rumuz-i-Bekhudi***" in 1917, discussed

# Message of Allama Dr.Muhammad Iqbal and his struggle against Destructive Emotions

☆ *Hassan Ali Teepu.*

Allama Muhammad Iqbal was an heir to a very rich Sufi--Philosophical and Muslim tradition. His forefathers were Brahmins. but being a modern Muslim. he was greatly inspired from the Sufi message of the leading Muslim Sufi, Maulana Rum (رحمۃ اللہ علیہ).

As he said;

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی

برہمن زادہ ای رمز آشنائے روم و تبریز است (*Zabur-i-Ajam*)

*(Recognize me, and you never see anywhere in India a person like me, who while being an offspring of Brahmins and discussed the secrets of Maulana Rum and Shams Tabrezi).*

In education, his interest were primarily the philosophy and English common law. After three years of study in England and Germany he obtained the degree of Doctor's of Philosophy from the

---

☆*The writer is a freelance contributor.*

Email: sach_al@hotmail.com

# مزارات پر حاضری کے شرعی آداب

۱۔ مزارات پر باوضو حاضری دیں۔

۲۔ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری کے دوران تلاوت قرآن پاک ،ذکر ،درود شریف اور ایصالِ ثواب بہترین مشاغل اور زیارت کے مستحبات ہیں۔

۳۔ بزرگانِ دین کا اہم اور اصل ادب ان کی تعلیمات پر عمل ہے۔خصوصاً خدمتِ خلق ، احترامِ انسانیت اور محبت و بھائی چارے پر عمل پیرا ہونا۔

۴۔ صاحبانِ مزارات کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

۵۔ قبر کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ سجدہ تعظیمی سے بھی کلیتاً اجتناب کریں۔

۷۔ مزارات پر ساز یا ڈھول بجاتے ہوئے چادر پوشی کرنا جائز نہیں۔

۸۔ مخلوط ہجوم میں خواتین کا مزارات پر حاضر ہونا نیکی نہیں۔

۹۔ مزارات پر خواتین کے لیے وضو اور نماز کا الگ انتظام ہے۔لہٰذا خواتین کا وضو اور نماز کے مقامات پر مردوں کے ساتھ اختلاط سخت ناواجب ہے۔

۱۰۔ مزارات پر لنگر یا خیرات کو لوگوں کی طرف پھینکنا یا اچھالنا رزق اور مزارات کی بے ادبی ہے۔اسی طرح رزق اور تبرک کو زمین پر گرانا بھی رزق کی بے حرمتی ہے۔

۱۱۔ مزارات کے گرد طواف حرام ہے اور مزارات کے احاطہ میں رقص و سرود کی محفل سجانا سخت ناجائز ہے۔

۱۲۔ مزارات پر بلاضرورت چراغ جلانا ممنوع ہے۔البتہ روشنی نہ ہونے کی صورت میں زائرین کی سہولت کے لیے چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

## "مرکز معارف اولیاء" کی نئی مطبوعات

محکمہ مذہبی امور و اوقاف کے زیر انتظام مرکز معارف اولیاء داتا دربار نے "مجلہ معارف اولیاء" کے اجراء کے ساتھ ساتھ بزرگان دین کی تعلیمات کے فروغ کے لیے باقاعدہ کوششوں کا آغاز کر دیا ہے۔ قارئین کرام کو انتہائی خوشی سے مطلع کیا جاتا ہے کہ الحمدللہ اس سلسلے میں تین تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔

### معارف فریدیہ از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

عربی زبان و ادب کا ایک معتبر حوالہ جو کہ پوری دنیا میں پاکستان کی پہچان و شناخت ہے۔ ملک عزیز کی نامور مادر علمی پنجاب یونیورسٹی میں ہزاروں طلباء کے لیے فیضان علمی کو عام کرنے والی شخصیت جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی تحقیقی ندرتوں کا شاہکار، برصغیر کی نامور روحانی و علمی شخصیت "بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ" کے کلام کا چار زبانوں (عربی، اردو، فارسی اور انگریزی) پر مشتمل ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ساتھ انہی چار زبانوں پر مشتمل مقدمات بھی ترتیب دیے گئے ہیں اور انٹرنیشنل ایڈیشن تیار کیا گیا ہے۔ انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب ٹائٹل اور اعلیٰ طباعت سے مزین یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

### کشف المحجوب سیریز

برصغیر میں قافلہ علم و حکمت کے سالار اعظم حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" کے مضامین اور معانی و معارف سے کروڑوں وابستگان عقیدت کی روحانی و علمی پیاس کو بجھانے کے لیے 125 سے زائد موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان موضوعات پر معروف علمی و روحانی شخصیات سے مختصر اور عام فہم کتابچہ جات تیار کروا کے عام زائرین کے استفادہ کے لیے شائع کرنے کا عظیم الشان منصوبہ تشکیل دیا گیا ہے اس سلسلے میں دو کتابچے زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔

#### ۱۔ پیر کامل اور پیر جاہل میں فرق کشف المحجوب کی روشنی میں

از ڈاکٹر محمد حسین آزاد القادری

ملک عزیز کے نامور مذہبی سکالر کے قلم سے کہ جن کی تحقیق و تحریر کی پہچان تصوف و روحانیت ہے۔ عصر حاضر میں خانقاہی نظام کے تحفظ کے لیے اس موضوع پر تحریر کیا جانے والا یہ کتابچہ مخدوم الاولیاء حضرت داتا گنج بخشؒ کی تعلیمات کی روشنی میں حقیقی روحانیت سے فیضیاب ہونے والوں کی عمدہ رہنمائی کرتا ہے۔ خوبصورت ٹائٹل اور عمدہ طباعت سے مزین مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

#### ۲۔ کشف المحجوب میں شریعت و طریقت کا مقام

از صاحبزادہ میاں محمد سلیم حماد ہجویری

خانوادہ سجادہ نشینان علی ہجویریؒ کے چشم و چراغ، معروف علمی و روحانی شخصیت جناب صاحبزادہ محمد سلیم حماد ہجویری کی رشحات قلم کا شاہکار، شریعت و طریقت کی ہم آہنگی، اس معاملے میں غلط فہمیوں اور جاہلانہ تصورات کے ازالے کے حوالے سے تعلیمات سید ہجویرؒ پر مبنی انتہائی عمدہ مختصر اور عام فہم کاوش، عمدہ طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل سے مزین مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

QUARTERLY MUJALLAH

# MA 'ARIF-Ē- AULIYA'

## Special Edition
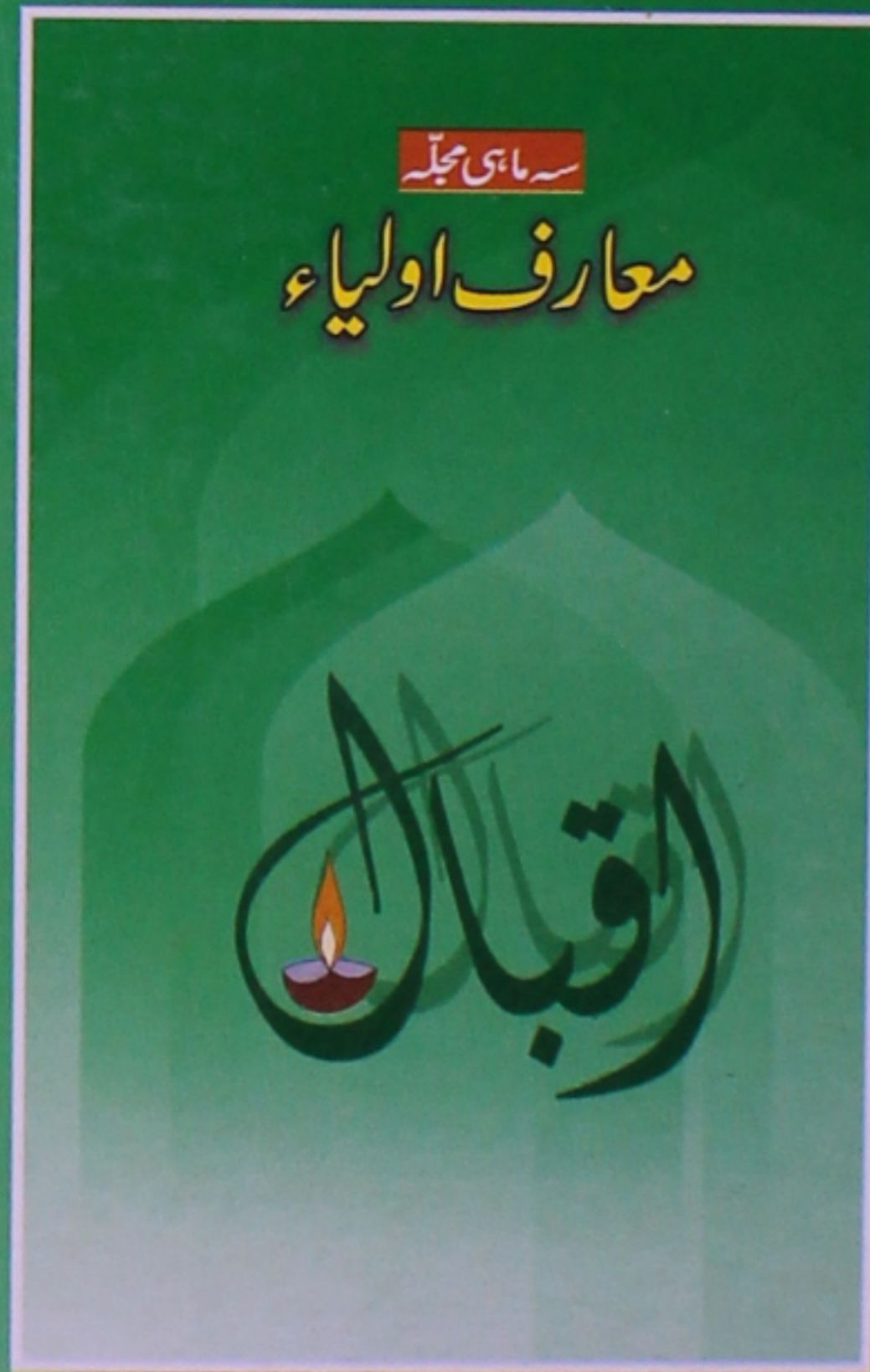
MARKAZ MA 'ĀRIF-E-AULIYA'

DARBAR HAZRAT DATA GANJ BAKHSH

RELIGIOUS AFFAIRS &
AUQAF DEPTT. PUNJAB